لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ

القران الحکیم ۱۲:۶۵

النور

ہجرت - احسان ۱۳۹۰ ہش
مئی - جون ۲۰۱۱ء

خلافت نمبر

جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، ادبی، تعلیمی اور تربیتی مجلّہ

مسجد بیت الحفیظ - سینٹ لوئس - میزوری

2011 National Atfal Rally USA

JULY13-15

THREE DAYS OF FUN

WITH PLENTY TO LEARN

By the Grace of Allah,This year's National Atfal Rally will be held at Al-Nur Mosque, just outside of Pittsburgh, PA.

There will be trips to the local attractions, basketball clinics, Tarbiyat Workshops, other sports activities and a gathering of Atfal from all across America.

Al-Nur Mosque 747 South Avenue Wilkinsburg, PA 15221

FOR MORE DETAILS VISIT www.mkausa.org

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط (2:258)

النــور

مئی۔ جون 2011

جماعت احمدیه امریکه کا علمی، تعلیمی، تربیّتی اور ادبی مجلّه

فہرس

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ط

(ص:27)

اور میلانِ طبع کی پیروی نہ کرو رنہ وہ (میلان) تجھے اللہ کے رستے سے گمراہ کردے گا۔

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ O

(الرعد:17)

تو کہہ دے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ یکتا (اور) صاحبِ جبروت ہے۔

{700 احکامِ خداوندی صفحہ 62}

نگران: ڈاکٹر احسان اللہ ظفر
امیر جماعت احمدیہ، یو۔ایس۔اے

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر نصیر احمد

مدیر: ڈاکٹر کریم اللہ زیروی

ادارتی مشیر: محمد ظفر اللہ ہنجرا

معاون: حسنیٰ مقبول احمد

لکھنے کا پتہ: karimzirvi@yahoo.com
OR
Editor Ahmadiyya Gazette
15000 Good Hope Road
Silver Spring, MD 20905

قرآن کریم

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○

(النحل:62)

اور اگر اللہ (تعالیٰ کی یہ سنت ہوتی کہ وہ) لوگوں کو ان کے (ارتکاب) ظلم پر (فوراً) پکڑ لیتا (اور توبہ کیلئے مہلت نہ دیتا) تو وہ اس (زمین) پر کسی جاندار کو (زندہ) نہ چھوڑتا مگر (اسکی یہ سنت ہے کہ) وہ (اصلاح کیلئے) انہیں ایک معین وقت تک مہلت دیتا (چلا جاتا) ہے پھر جب ان (کی سزا) کا وقت آجاتا ہے تو وہ نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ (کر بچ) سکتے ہیں اور نہ (اس سے) آگے نکل (کر بچ) سکتے ہیں۔

تفسیر بیان فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ:

اس میں کفار کے ایک شبہ کا ازالہ کیا ہے جو پہلی آیت سے پیدا ہوسکتا تھا اور وہ یہ ہے کہ اگر انسان غلط تعلیم دیتا ہے اور خدا کے کلام ہی سے ہدایت ملتی ہے تو چاہیئے تھا کہ سب کفّار ہلاک ہوجاتے مگر وہ تو ہلاک نہیں ہوئے بلکہ دنیا میں کئی قسم کی ترقیاں ان کو ملتی ہیں معلوم ہوا کہ وہ بھی کوئی زیادہ غلطی پر نہیں ہیں یا یہ کہ وہ بھی حق پر ہیں اس شبہ کا یہ جواب دیا کہ کلامِ الٰہی کو تو خیر تم نہیں مانتے لیکن بعض امور کو تو تم بھی خدا تعالےٰ کے منشاء کے خلاف سمجھتے ہو۔ مثلاً چوری، ڈاکہ، قتل وغیرہ۔ کیا ان جرائم کے مرتکب فوراً پکڑ لئے جاتے ہیں۔ اگر نہیں تو اس ڈھیل کو دیکھتے ہوئے تم الٰہی کلام کے منکروں پر فوری گرفت نہ آنے کی وجہ سے یہ کس طرح استدلال کر سکتے ہو کہ یہ کلام خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ورنہ اس کے انکار پر فوراً گرفت ہوتی اور کوئی کافر نہ بچتا۔

پھر اس فوری گرفت نہ ہونے کی وجہ بھی بتائی کہ یہ ڈھیل کا قانون اللہ تعالیٰ نے اس لئے جاری کیا ہے کہ اس کے بغیر نسل انسانی چل ہی نہیں سکتی کیونکہ اگر ہر جرم کی سزا میں انسان کو فوراً تباہ کر دیا جاتا تو دنیا پر انسان کی نسل کس طرح باقی رہتی۔ اگر کوئی کہے کہ دنیا میں نیک بھی تو ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک نیک بھی ہوتے ہیں مگر یہ تو ضروری نہیں کہ نیکوں کے باپ دادا آدم تک سب نیک ہی ہوں۔ پس اگر ان کے باپ دادوں کو پکڑا جاتا اور وہ ہلاک کر دیئے جاتے تو ساتھ ہی ان کے وہ نسل بھی غائب ہوجاتی جس نے آئندہ کسی زمانہ میں نیک ہونا تھا۔ پس اگر ہر گناہ پر اس دنیا میں گرفت کا قانون جاری ہوتو ماننا پڑے گا کہ دنیا کبھی کی تباہ ہوجانی چاہیئے تھی مگر ایسا نہیں۔ معلوم ہوا کہ ہر گناہ کی سزا فوراً نہیں ملتی اور یہ مزید ثبوت یومِ آخرت کا ہے جہاں جزاء سزا کا عمل تکمیل تک پہنچ جائے گا۔ اگر اس دن کو نہ مانا جائے تو خدا تعالیٰ کا فیصلہ نامکمل رہ جاتا ہے۔ ایک سوال اس آیت کے متعلق یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیوں فرمایا گیا ہے کہ اگر ہر گناہ پر اسی دنیا میں گرفت ہوجاتی تو اس دنیا کے پردہ پر کوئی حیوان نہ رہتا۔ مکلّف تو انسان ہیں سزا ملتی تو انسان کو ملتی دوسرے حیوان کیوں ہلاک ہوجاتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ شروع سورۃ میں بیان کیا گیا ہے باقی حیوان انسان ہی کے فائدہ کیلئے پیدا کئے گئے ہیں پس جب انسان ہلاک کر دیا جاتا تو ان کی بھی ضرورت نہ رہتی اور عام قیامت آجاتی۔

(تفسیرِ کبیر جلد چہارم صفحات 186-187)

۔۔۔۔ احادیثِ مبارکہ ۔۔۔۔

عَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَۃَ الْخُشَنِیِّ جُرْثُوْمِ بْنِ نَاشِرٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَیِّعُوْھَا، وحَدَّ لَکُمْ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْھَا وَحَرَّمَ اَشْیَاءَ فَلَا تَنْھِکُوْھَا، وَسَکَتَ عَنْ اَشْیَاءَ رَحْمَۃً لَکُمْ غَیْرَ نِسْیَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْھَا۔

(دار قطنی باب الصید و الذبائح صفحہ 550)

حضرت ابوثعلبؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کئے ہیں تم انہیں ضائع نہ کرنا۔ اس نے کچھ حدیں مقرر کی ہیں۔ تم ان سے آگے نہ بڑھنا اور نہ ان کو پامال کرنا۔ اس نے کچھ چیزیں حرام کی ہیں۔ تم ان کا ارتکاب نہ کرنا۔ کچھ باتوں کا ذکر اس نے چھوڑ دیا ہے صرف تم پر رحم کرتے ہوئے۔ نہ وہ بھولا ہے نہ اس نے غلطی کھائی ہے پس ان کے متعلق کرید اور جستجو نہ کرنا۔

☆......☆......☆......☆

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَنَۃَ اَنَّہٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَقُوْلُ: بَدَاَالْاِسْلَامُ غَرِیْبًا ثُمَّ یَعُوْدُ غَرِیْبًا کَمَا بَدَاَ فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَآءِ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَنِ الْغُرَبَآءُ قَالَ: اَلَّذِیْنَ یَصْلَحُوْنَ اِذَا فَسَدَ النَّاسُ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَیَنْحَازَنَّ الْاِیْمَانُ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ کَمَا یَحُوْزُ السَّیْلُ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَیَاْرِزَنَّ الْاِسْلَامُ اِلٰی مَابَیْنَ الْمَسْجِدَیْنِ کَمَا تَاْرِزُ الْحَیَّۃُ اِلٰی جُحْرِھَا۔

(مسند احمد بن حنبل صفحہ 73/4)

حضرت عبدالرحمان بن سنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اسلام کا آغاز بالکل نرالے حالات میں ہوا اور پھر اس کی یہی حالت ہو جائے گی (یعنی وہ اجنبی اجنبی اور اوپرا اوپرا نظر یہ لگے گا) پس ’’غرباء‘‘ کیلئے بڑی خوش خبری ہے (کہ نامساعد حالات میں بھی وہ ہدایت پر قائم رہتے ہیں) حضورؐ سے پوچھا گیا کہ غرباء کون ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ وہ جو نیکی اور بھلائی پر قائم رہتے ہیں جبکہ عام لوگ بگڑ گئے ہوں اور ان میں فساد آ گیا ہو۔ اس خدا کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! ایمان مدینہ کی طرف یوں ہٹ آئے گا جیسے سیلابی موج بڑی تیزی کے ساتھ پیچھے ہٹتی ہے۔ اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اسلام دو مسجدوں کے درمیان یوں سکڑ اور سمٹ جائے گا جیسے سانپ اپنی بل میں سمٹ کر گھس جاتا ہے۔

☆......☆......☆......☆

ارشاداتِ عالیہ بانئ جماعت احمدیہ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

''امام الزمان اس شخص کا نام ہے کہ جس شخص کی روحانی تربیت کا خدا تعالیٰ متولی ہو کر اس کی فطرت میں ایک ایسی امامت کی روشنی رکھ دیتا ہے کہ وہ سارے جہان کی معقولیوں اور فلسفیوں سے ہر ایک رنگ میں مباحثہ کر کے ان کو مغلوب کر لیتا ہے۔ وہ ہر ایک قسم کے دقیق در دقیق اعتراضات کا خدا سے قوت پا کر ایسی عمدگی سے جواب دیتا ہے کہ آخر ماننا پڑتا ہے کہ اس کی فطرت دنیا کی اصلاح کا پورا سامان لے کر اس مسافر خانہ میں آئی ہے۔ اس لئے اس کو کسی دشمن کے سامنے شرمندہ ہونا نہیں پڑتا۔ وہ روحانی طور پر فوجوں کا سپہ سالار ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھ پر دین کی دوبارہ فتح کرے۔ اور وہ تمام لوگ جو اس کے جھنڈے کے نیچے آتے ہیں انکو بھی اعلیٰ درجہ کے قویٰ بخشے جاتے ہیں۔ اسی طرح ان نفوس میں جن کی نسبت خدا تعالیٰ کے ازلی علم میں یہ ہے کہ ان سے امامت کا کام لیا جاوے گا منصب امامت کے مناسب حال کئی روحانی ملکے پہلے سے رکھے جاتے ہیں۔ اور جن لیاقتوں کی آئندہ ضرورت پڑے گی۔ ان تمام لیاقتوں کا بیج ان کی پاک سرشت میں بویا جاتا ہے۔''

(ضرورۃ الامام۔ روحانی خزائن جلد13صفحہ 477-478)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اماموں کیلئے درج ذیل چھ قوتوں کا ہونا ضروری قرار دیا ہے جن سے خلیفہ و امام کا بلند روحانی مقام ظاہر و باہر ہے:

''**اوّل** قوت اخلاق: ان میں اعلیٰ درجہ کی اخلاقی قوت کا ہونا ضروری ہے۔ **دوم** قوت امامت یعنی نیک باتوں اور نیک اعمال اور تمام الٰہی معارف اور محبت الٰہی میں آگے بڑھنے کا شوق یعنی روح اس کی کسی نقصان کو پسند نہ کرے اور کسی حالت ناقصہ پر راضی نہ ہو۔۔۔ امامت ایک قوت ہے کہ اس شخص کے جوہر فطرت میں رکھی جاتی ہے جو اس کام کیلئے ارادہ الٰہی میں ہوتا ہے۔ **تیســـری** قوت بسطت فی العلم ہے۔۔۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے علوم الٰہیہ میں اس کو بسطت عنایت کی جاتی ہے اور اس کے زمانہ میں کوئی دوسرا ایسا نہیں ہوتا جو قرآنی معارف کے جاننے اور کمالات افاضہ اور اتمام حجت میں اس کے برابر ہو۔ اس کی رائے صائب دوسروں کے علوم کی تصحیح کرتی ہے اور اگر دینی حقائق کے بیان میں کسی کی رائے اس کی رائے کے مخالف ہو تو حق اسکی طرف ہوتا ہے کیونکہ علوم حقہ کے جاننے میں نور فراست اس کی مدد کرتا ہے۔ اور وہ نور ان چمکتی ہوئی شعاعوں کے ساتھ دوسروں کو نہیں دیا جاتا۔ **چوتھی** قوت عزم ہے جو امام الزمان کیلئے ضروری ہے اور عزم سے مراد یہ ہے کہ کسی حالت میں نہ تھکنا اور نہ ناامید ہونا اور نہ ارادہ میں سست ہونا۔ **پــانـچـویں** قوت اقبال علی اللہ ہے یعنی اس کی توجہ الی اللہ تمام اولیاء اللہ کی نسبت زیادہ تر تیز اور سریع الاثر ہوتی ہے۔ **چھٹے** کشوف اور الہامات کا سلسلہ ہے۔ امام الزمان اکثر بذریعہ الہامات کے خدا تعالیٰ سے علوم اور حقائق اور معارف پاتا ہے۔''

(ضرورۃ الامام۔ روحانی خزائن جلد13صفحہ478 تا 483)

منظوم کلام امام الزمان

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

تیری نعمت کی کچھ قلّت نہیں ہے　　تہی اس سے کوئی ساعت نہیں ہے

شمارِ فضل اور رحمت نہیں ہے　　مجھے اب شکر کی طاقت نہیں ہے

یہ کیا احساں ترے ہیں میرے ہادی　　فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

ترے کُوچے میں کن راہوں سے آؤں　　وہ خدمت کیا ہے جس سے تجھ کو پاؤں

محبت ہے کہ جس سے کھینچا جاؤں　　خدائی ہے خودی جس سے جلاؤں

محبت چیز کیا کس کو بتاؤں　　وفا کیا راز ہے کس کو سناؤں

مَیں اس آندھی کو اب کیونکر چُھپاؤں　　یہی بہتر کہ خاک اپنی اُڑاؤں

کہاں ہم اور کہاں دُنیائے مادی　　فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

کوئی اُس پاک سے جو دل لگاوے　　کرے پاک آپ کو تب اُس کو پاوے

جو مرتا ہے وہی زندوں میں جاوے　　جو جلتا ہے وہی مُردے جلاوے

ثمر ہے دُور کا کب غیر کھاوے　　چلو اوپر کو وہ نیچے نہ آوے

نہاں اندر نہاں ہے کون لاوے　　خودی اور خودروی کب اسکو بھاوے

مجھے تُو نے یہ دَولت اے خدا دی　　فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

خطبہ جمعہ

خدا جو حکیموں میں سے بڑا حکیم ہے وہ بے فائدہ کسی چیز کو کیوں رکھے

جب انسان اس اصلی غرض کو پورا نہیں کرتا یعنی عبادت جس کیلئے وہ پیدا کیا گیا تو پھر وہ لامحالہ تباہ ہوتا ہے۔ ایسا ہی جو اپنے نمونہ سے یا دیگر حالات سے دوسروں کو خدا کی عبادت سے روکتا ہے اسے بھی ہلاک کیا جاتا ہے۔

تم لوگ احمدی ہو اور احمدیت جہاں عذابوں سے بچاتی ہے وہاں سب سے پہلے ملزم بھی ہمیں ہی گردانتی ہے کیونکہ ہم لوگوں نے ایک مامور کو مانا۔ اس کے ہاتھ پر خدا اور رسول کی اطاعت کا عہد کیا۔ اب اس کو توڑیں گے تو سب سے پہلے عذاب کے مستحق، اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْھَا، ہم ہیں۔

خطبہ جمعہ حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرمودہ مورخہ 17 فروری 1911ء

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ

وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ○ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ○

میں نے بہت عرصہ پہلے خواب میں دیکھا کہ خدا کا غضب بھڑک اُٹھا ہے اور زمین تاریک ہو چلی ہے۔ پہلے طاعون پھیلا ہے۔ پھر اس کے بعد ہیضہ پڑا ہے۔ چند خاص دوستوں کو میں نے یہ خواب سنا بھی دیا اور دعا شروع کی کہ الٰہی! تو اپنے فضل و کرم سے احمدی جماعت، پھر خصوصیت سے قادیان کی جماعت پر اپنا رحم فرما۔ پھر چند روز ہوئے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ملک میں خطرناک طاعون ہے اور ایک عظیم الشان محل ہے جس میں ہم لوگ ہیں۔ گویا خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم پہلے ہی وعدہ کر چکے ہیں کہ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ اب صرف اتنی بات ہے کہ ہم اپنے تئیں اس محل میں رہنے کے اہل ثابت کریں۔ پھر کچھ دن ہوئے میں نے دیکھا کہ انہی ہماری دو کانوں پر شیر حملہ کر رہا ہے۔ پس میں ڈر گیا اور بہت دعا کی اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ طریق نجات کیا ہے؟ تو مجھ پر کھولا گیا کہ خدا کے حضور کھڑے رہنا اور دعائیں۔ طوفان میں ایک کشتی ہے جو ٹوٹی ہوئی ہے مگر دعاؤں سے جڑ سکتی ہے۔ پھر میں اس بات پر غور کر رہا تھا کہ ملک میں وبا کیوں پھیلتی ہے تو ایک مَلَک نے ابھی رستے میں آتے ہوئے مجھے تحریک کی کہ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الذّٰریٰت:57) ہر شخص فائدے کیلئے کوئی چیز بناتا ہے۔ مثلاً باغبان درخت لگاتا ہے۔ اب جب تک وہ چیز مثلاً درخت فائدہ دے اسے نہیں اکھیڑا جاتا لیکن جب وہ غرض جس کیلئے وہ شے بنائی گئی پوری نہ کرے تو پھر اس شے کو توڑ دیا جاتا ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ عقل کا زمیندار بھی اسی اصل پر عمل پیرا ہے۔ پس خدا جو حکیموں میں سے بڑا حکیم ہے وہ بے فائدہ کسی چیز کو کیوں رکھے۔ جب انسان اس اصلی غرض کو پورا نہیں کرتا یعنی عبادت جس کیلئے وہ پیدا کیا گیا تو پھر وہ لامحالہ تباہ ہوتا ہے۔ ایسا ہی جو اپنے نمونہ سے یا دیگر حالات سے دوسروں کو خدا کی عبادت سے روکتا ہے اسے بھی ہلاک کیا جاتا ہے۔ خدا کے مامور دنیا میں بھلائی پھیلانے کیلئے آتے ہیں۔ وہ غافلوں کو بیدار کرتے ہیں مگر شریر لوگ بہرصورت اعتراض کرتے ہیں۔ اگر کوئی نئی بات سنائے تو کہتے ہیں یہ وہ باتیں سناتا ہے جو پہلوں نے

نہیں سنائیں اور اگر وہی اگلی باتیں سنائے تو کہتے ہیں کوئی نئی بات نہیں پیش کرتا۔ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ جب بدیاں بار بار کی جاتی ہیں اور شیطان اپنا وعظ ہر وقت کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ خود انسان کے اندر اس کے نفس کو بطور سفیر چھوڑ رکھا ہے تو کیا خدا اپنی طرف سے کوئی واعظ بار بار وہی نیکیاں سمجھانے کیلئے پیدا نہ کرے؟ تیرہ سو برس سے تو قرآن مجید کا وعظ ہو رہا ہے اور اس سے پہلے بھی کئی نبی آئے اور سب نے توحید کا وعظ کیا تو کیا ساری دنیا توحید پر قائم ہوگئی؟ پس ضرور ہے کہ توحید کا ذکر بار بار کیا جاوے۔

یاد رکھو خدا نے حضرت ابراہیمؑ سے فرمایا تھا کہ اگر لوط کی قوم میں سے پانچ چھ بھی نیک ہوں تو میں ان کی قوم میں سے عذاب ہٹا لوں گا۔ مگر جب اس اندازے پر بھی نیک نہیں رہتے تو پھر عذاب الٰہی آتا ہے۔ تم لوگ احمدی ہو اور احمدیت جہاں عذابوں سے بچاتی ہے وہاں سب سے پہلے ملزم بھی ہمیں ہی گردانتی ہے کیونکہ ہم لوگوں نے ایک مامور کو مانا۔ اس کے ہاتھ پر خدا اور رسول کی اطاعت کا عہد کیا۔ اب اس کو توڑیں گے تو سب سے پہلے عذاب کے مستحق 'اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْھَا' ہم ہیں۔

پس تم خدا کی طرف متوجہ ہو اور عبادت میں لگے رہو اور دعائیں کرتے رہو کیونکہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ جب مغز عبادت تم حاصل کرو گے تو پھر تم بلاؤں سے محفوظ رہو گے۔ ایک باغبان بھی پھل والی شاخ کو نہیں کاٹتا۔ پس تمہارا خدا جو ارحم الراحمین ہے تمہیں ہلاک نہیں کرے گا۔ یونس کی قوم کافر تھی۔ صرف گڑگڑانے سے ان پر سے عذاب ٹل گیا۔ تو کیا تم جو ایک نبیؑ ایک مامور کے ماننے والے ہو تمہاری دعاؤں میں اتنا بھی اثر نہ ہوگا کہ عذاب الٰہی ہٹا لیا جائے؟ یونسؑ تو چند ایک بستیوں کی طرف مامور ہو کر آئے تھے مگر تمہارے نبی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں تمام جہان کی طرف مامور ہو کر آئے تھے۔ پس تم اس کے پیرو ہو۔ دعاؤں سے کام لو، صدقہ دو، استغفار کرو اور خدا کی تسبیح و تقدیس کرو۔ اپنے دلوں کو پاک بناؤ کہ جب ایک شریف آدمی اروڑی پر نہیں بیٹھتا تو خدا تمہارے دلوں میں کس طرح نزول فرما ہو سکتا ہے جبکہ ان میں طرح طرح کے گند بھرے ہوئے ہوں۔ اپنی اصلاح کرلو اور عذاب کے نازل ہونے سے پہلے خدا کے حضور گڑگڑاؤ۔ عذاب کے وقت تو فرعون بھی چلا اٹھا تھا مگر اس چلانے نے فائدہ نہ دیا۔ میں نے اپنا فرض تبلیغ ادا کر دیا۔ اب تمہارا فرض ہے کہ اپنی اصلاح کرلو اور راتوں کو خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو ہو کر گڑگڑاؤ تا بچائے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دے۔

(بدر جلد 10 نمبر 18...2/مارچ 1911ء صفحہ 2)

منظوم کلام

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ

دل کعبہ کو چلا مرا بُت خانہ چھوڑ کر
زمزم کی ہے تلاش اُسے مَیخانہ چھوڑ کر

کیوں چل دیا ہے شمع کو پروانہ چھوڑ کر
جاتا ہے کوئی یُوں کبھی کاشانہ چھوڑ کر

منجدھار میں ہے کشتی ڈبوئی خِرد نے آہ
کیا پایا میں نے خصلتِ رِندانہ چھوڑ کر

اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے
کیوں کر جیوں گا ہاتھ سے پیمانہ چھوڑ کر

سچ ہے کہ فرق دوزخ و جنّت میں ہے خفیف
پائی نجات دام سے اِک دانہ چھوڑ کر

ہے لذّتِ سماع بھی لطفِ نگاہ بھی
کیوں جارہے ہو صحبتِ جانانہ چھوڑ کر

ملک و بلاد سونپ دیئے دشمنوں کو سب
بیٹھے ہو گھر میں خصلتِ مردانہ چھوڑ کر

ہے گنجِ عرش ہاتھ میں قرآن طاق پر
مِینا کے ہو رہے ہیں وہ مَیخانہ چھوڑ کر

دل دے رہا ہوں آپ کو لیتے تو جایئے
کیوں جارہے ہیں آپ یہ نذرانہ چھوڑ کر

عیدِ میلاد کی اصلاحی، تربیتی اور تبلیغی افادیت

منصبِ خلافت سے وابستہ نورِ فراست

لطف الرحمٰن محمود

جشنِ ولادتِ رسولؐ

اس وقت پچاس سے زاید مسلم ممالک دنیا کے نقشے پر موجود ہیں جہاں اُن کی حکومتیں قائم ہیں۔ بعض اور ممالک میں مسلمان اقلیت میں ہیں۔ مگر وہاں بھی آبادی کا دس پندرہ فیصد ہیں اور انہیں مذہبی آزادی حاصل ہے۔ بعض مغربی ممالک میں تارکین وطن لاکھوں کی تعداد میں ہیں جہاں مذہبی اور سیاسی آزادی کی وجہ سے اُن کے حقوق محفوظ و مستحکم ہیں۔ بعض ممالک میں ہر سال 12/ربیع الاول کو جشنِ ولادت رسولؐ بڑے جوش وخروش سے منایا جاتا ہے۔ اگرچہ سعودی عرب اور بعض اور ممالک میں اس کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ سالِ رواں کے ماہِ ربیع الاول میں' پاکستان میں' میلاد النبیؐ بڑے جوش وخروش سے منایا گیا۔ گزشتہ کئی سال سے ان تقاریب کا اہتمام کیا جارہا ہے۔ اس سال بھی ان کے مناظر ٹی وی چینلز پر بھی دکھائے گئے۔ مساجد اور دیگر عمارات کو بجلی کے قمقموں سے سجایا گیا گلی کوچوں میں تزئین وآرائش کی گئی۔ بعض شہروں میں سڑکوں پر کعبہ شریف، مسجد نبوی اور گنبد خضراء کے ماڈل نصب کئے گئے۔ جہاں یہ ممکن نہ ہوسکا وہاں حرمین شریفین کی تصاویر آویزاں کرکے اس کی تلافی کی گئی۔ علماء اور مشائخ نے اس موقع پر جلوسوں کی قیادت کی۔ ہر قسم کی چھوٹی بڑی ٹرانسپورٹ ریلیوں میں استعمال کی گئی۔ ان ریلیوں میں نعتیں پڑھی گئیں۔ بعض نعت خوانوں نے فلمی دُھنوں کا سہارا لیا۔ اس حرکت سے کم ازکم، مجھے رُوحانی کوفت اور اذیت ہوئی۔ اس تقریب کے تقدس کا تقاضا ہے کہ نعت خوانوں کو اس قسم کی کمرشل کثافت سے بچنا چاہیئے۔ بڑے شہروں میں، کہیں کہیں سیرت کانفرنسوں کا اہتمام کیا گیا جس میں حضرت نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے پہلوؤں کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی۔ اسی پہلو کو' جشنِ ولادت رسولؐ کا سب سے اہم حصہ ہونا چاہیئے۔ مگر نسبتاً ایسی نشستوں کی تعداد بہت کم تھی۔ افسوس ہے کہ یہی پہلو تشنہ رہ گیا۔ اسی کی اہمیت واضح کرنے کیلئے یہ مضمون لکھا جارہا ہے۔

عید میلاد کی تقریب کا ارتقاء

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد صحابہؓ حضورؐ کی یاد میں بے چین ہوکر، یہ کہہ کر آپس میں مل بیٹھتے کہ آؤ حضورؐ کے ذکرِ خیر سے اپنے ایمان تازہ کریں۔ ان حلقوں میں حضورؐ کے حُسن واحسان اور محبت وشفقت کے تذکرے چلتے، سیرت طیبہ کے پہلوؤں کو اُجاگر کیا جاتا، حضورؐ کی تعلیمات اور نصائح کا ذکر ہوتا۔ '' دوڑ پیچھے کیطرف اے گردشِ ایّام تُو'' کی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی۔ جس طرح کی تزئین وآرائش، جلوس، ریلیوں، محافل میلاد اور دعوتوں کا اہتمام پاکستان میں کیا جاتا ہے' یہ ہمیں تاریخ اسلام کے ابتدائی دور بلکہ کئی صدیوں تک کہیں نظر نہیں آتا البتہ سیرتِ رسولؐ کے تذکرۂ جمیل سے کوئی دن خالی نظر نہیں آتا۔ احادیث کی جستجو اور اُن کی تدوین وتالیف کا کام، سیرتِ نبوی اور محبتِ رسولؐ ہی سے منسلک ہے۔ سیرت اور مغازی کے موضوع پر کتابوں کی تصنیف کی کاوش اسی جذبہ کی تسکین کا نتیجہ ہے۔ صحابہ کرام کے بعد تابعین، تبع تابعین اور ان کی نسلیں، الفاظ کے پیرائے میں حسنِ مصطفوی کی جھلک دیکھنے کیلئے بے چین نظر آتی ہیں۔ فقہاء، علماء اور محدثین میں سے موطا' حضرت امام مالکؒ کا ذکر بطور مثال پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اس عاشق رسولؐ نے اپنی ساری زندگی مدینہ منورہ میں بسر کی۔ اُس زمانے میں' مدینہ میں ابھی زیادہ تبدیلی نہیں آئی تھی۔ کوچہ وبازار اور درودیوار تقریباً ویسے ہی تھے۔ حضرت امام مالک نے عمر بھر احتراماً جوتا نہیں پہنا۔ پیار کے طور طریقے ہیں، عشق کے انداز ہیں۔ اظہارِ محبت کے اسلوب ہیں۔ عید میلاد کا منظّم تقریب کی

شکل میں کب اور کس ملک یا خطہء ارض میں آغاز ہوا' عقیدے یا جذبے کی بات نہیں بلکہ اس کا تعلق تاریخی حقائق اور کوائف کے مطالعہ و تجزیہ سے ہے۔ اس حوالے سے ہمیں دو آراء ملتی ہیں۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ 485 ہجری میں ملک شاہ سلجوق نے بغداد میں مجلس مولود دھوم دھام سے منعقد کی۔ (تاریخ اسلام جلد دوم مصنفہ اکبر شاہ خان نجیب آبادی صفحہ146 ناشر دارالاشاعت کراچی)

دوسری رائے یہ ہے کہ 690 ہجری میں جشنِ ولادتِ رسولؐ کی ابتدا شمالی افریقہ کے ملک مراکش میں سلطان ابو یعقوب کے عہد حکومت میں ہوئی۔ وہاں سے اس کا رواج مصر پہنچا جہاں مملوک خاندان نے اس کی سرپرستی کی۔ بعد میں ترکی کی خلافتِ عثمانیہ کے زیرنگین تمام ممالک، مصر، شام، فلسطین، حجاز، عراق وغیرہ میں 12 ربیع الاوّل کو تمام مساجد میں علامہ بوصیری کے درود بردہ کے پڑھنے کا رواج مستحکم ہوا۔ حضرت نبی کریم ﷺ کی شان میں اشعار تو حضورؐ کی زندگی میں بھی کہے گئے اور نعت گوئی کا بابرکت سلسلہ جاری رہا اور نعت خوانی کی صورت میں منظم ہوگیا۔ (نیو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام 'ناشر Altamira صفحہ 301' شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ناشر Leiden' صفحہ 366)

ایک عالم دین کے تجربات ومشاہدات

یہ سنی سنائی بات نہیں۔ یہ تفاصیل میں نے خود ایک پاکستانی چینل پر سنیں اور دیکھیں۔ ایک مولانا نے میلاد کی ایک تقریب اور اس کے بعد ضیافت میں شرکت کرنے والوں کے رویّے پر اظہار تاسف کرتے ہوئے فرمایا کہ بعض جیب کتروں نے اس موقع پر جیبیں کاٹیں اور 12 ربیع الاوّل کے مقدس دن کا بھی خیال نہ کیا۔ مولانا کے لہجے میں پایا جانے والا درد اس بات کا ثبوت تھا کہ اُنہوں نے لازماً اس ظلم سے متاثر ہونے والوں کی شکایتیں سُنی ہوں گی۔ اس کے بعد مولانا نے بتایا کہ لوگ جس طرح کھانے پر ٹوٹ کر گرے اور ایسی بدنظمی کا مظاہرہ کیا کہ میزیں، کرسیاں اور دوسرا فرنیچر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا۔ بعض علماء اور شرفاء کھانے سے محروم رہے۔ پلیٹوں پر قبضہ ہوجانے کے بعد ڈونگوں، کشتیوں، طشتوں اور پراتوں اور اس قسم کے بڑے بڑے برتنوں میں کھانا ڈال لیا۔ اور سیر ہونے کے بعد بچے کھچے کھانے سمیت ان برتنوں کو زمین پر دے مارا۔ فرنیچر اور برتنوں کی حالت اور کھانے کا یہ حشر ٹی وی پر دکھایا گیا۔ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اس بدنظمی اور دھینگا مُشتی کے نتیجے میں بہت سا کھانا ضائع ہوگیا۔ عین ممکن ہے کہ بعض مہمانوں کیلئے کھانا نہ بچا ہو۔ ایسی حرکتیں کسی اور دن بھی ناپسندیدہ اور قابل مذمّت ہیں اگر یہ جشن ولادتِ رسولؐ کے موقع پر ہوں تو مزید شرمناک بلکہ ایک لحاظ سے توہینِ رسالت کا پہلو لئے ہوئے ہیں۔ ہر وہ کام، حرکت اور منظر جس سے اسلام، قرآن اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات تمسخر واستہزاء کا ہدف بنتی ہوں' ناموس رسالتؐ پر حملہ ہے اور اہلِ ایمان کو ایسی حرکات سے بچنے کی مقدُور بھر کوشش کرنی چاہیئے۔

اُسوۂ رسولؐ کی نورانی کرنیں

امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کے بقول حضور ﷺ کا اسوۂ حسنہ مجسّم و متحرک قرآن ہے۔ دین و دُنیا کا کون سا شعبہ ہے جس میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہنمائی اور نمونہ موجود نہیں۔ ایک طرف حُبِّ رسولؐ کے بلند و بانگ دعوے کرنا اور دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات وہدایات کو پسِ پُشت ڈالنا اور اس کے خلاف عمل کرنا اور وہ بھی حضورؐ کی جشنِ ولادت کے دن اور تقریب میں' ہتک رسولؐ نہیں تو اور کیا ہے؟

جیب کاٹنا بھی چوری ہی کی قسم ہے۔ قرآن کریم میں چوری (سرقہ) کی حدّ مقرّر ہے۔ (سورۃ المائدہ آیت39)

چوری سال کے 365 دنوں میں بُری حرکت ہے۔ کسی دن بھی یہ جرم ہلکا نہیں ہوجاتا۔ کم از کم ''میلاد النبیؐ'' کے دن تو اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اتنا ذہن میں ہونا چاہیئے کہ حضرت نبی کریم ﷺ چوری کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ فتح مکہ کے سفر کا واقعہ ہے قبیلہ مخزوم کی ایک عورت (فاطمہ) نے کسی کا زیور چُرا لیا۔ اُس کے عزیزوں نے رُسوائی سے بچنے کیلئے معاملہ رفع دفع کروانا چاہا۔ حضرت اُسامہ بن زیدؓ جو حضورؐ کو بہت محبوب تھے' سے سفارش کروائی گئی۔ حضور ﷺ سخت ناراض ہوئے۔ حدّ نافذ کرنے کا حکم دیا اور اُس موقع پر ازراہِ نصیحت فرمایا۔ ''اگر فاطمہ بنتِ محمدؐ بھی اس جُرم میں ملوث پائی جاتیں تو اُن کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جاتا''

(صحیح بخاری' حصہ دوم' کتاب المناقب باب اسامہ بن زید صفحہ 455-456 ناشر 'اعتقاد' پبلشنگ ہاؤس، دہلی)

پھر کھانے پینے، دعوت کے مواقع کے لحاظ سے یعنی اجتماعی کھانے کے حوالے سے بھی حضرت رسول کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ اور تعلیمات وہدایات سیرت وحدیث کی کتابوں میں

محفوظ ہیں۔ سنن ابن ماجہ سے چند احادیث کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے:

(i) ''ایک شخص کا کھانا دو شخصوں کو کافی ہے اور دو کا چار کو اور چار کا آٹھ کو''

(ii) ''مومن ایک آنت سے کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں سے'' (یعنی مومن حرص اور طمع سے پاک ہوتا ہے)

(iii) حضورؐ خود کھانا تناول کرتے وقت انکسار اور تواضع کی کیفیت پسند فرماتے۔

(iv) حضورؐ نے ام المومنین حضرت اُمِ سلمہؓ کے کم سن بیٹے عمر (جو حضورؐ کے گھر میں پلے اور بڑے ہوئے) کو برتن میں ہر طرف ہاتھ گھمانے سے روکا۔ اور اپنے سامنے سے کھانا کھانے کی نصیحت فرمائی۔

(v) کھانا کھانے کے بعد برتن، پلیٹ یا رکابی کو صاف کرنا (یعنی شروع ہی میں مناسب مقدار میں کھانا لینا اور پلیٹ میں کھانا چھوڑنے سے اجتناب کرنا)

(vi) اجتماعی کھانے کے وقت' کھانا کھانے والے دوسروں کا بھی خیال رکھیں اور بوقت ضرورت انتظار کریں اور کھانے سے ہاتھ نہ کھینچ لیں.

(سنن ابن ماجه ، كتاب الاطعمه)

طشت' ٹرے یا پرات میں کھانے کا ڈھیر لگانا' پھر ٹھوس ٹھوس کر کھانا' بعد ازاں بچ جانے والے کھانے کو زمین پر پھینک دینا، یا کھانے سمیت برتن کو زمین پر دے مارنا، یہ سب غیر اسلامی حرکتیں ہیں۔ ایسی ضیافت میں اگر ایکسرے اور الٹرا ساؤنڈ کی سہولت میسّر آ جائے تب پتہ چلے گا کہ ان مومنوں کی کتنی آنتیں ہیں؟ یہ ایک افسوسناک حالت ہے۔ مولانا صاحب کے ریمارکس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام کی طرف منسوب ہونے والے بعض لوگ' حضورؐ کی تعلیمات سے کس حد تک بے بہرہ ہیں! اس میں اسلام کا قصور نہیں۔ ہم نے خود قرآن شریف کو مہجور کی طرح چھوڑ دیا ہے اور سنّتِ رسولؐ سے دُوری اختیار کر لی ہے۔

پاکستانی معاشرے کی حالتِ زار

میں پاکستانی معاشرے کے درج ذیل دو پہلوؤں کا مقابلہ و موازنہ کر کے ہمیشہ ورطہء حیرت میں ڈُوب جاتا ہوں۔ ایک طرف تو ہمارے ہاں مسجدوں کی کثرت ہے۔ ہر گلی میں' ہر موڑ پہ' اللہ کا گھر موجود ہے جس کے ہر مینار پر آٹھ دس لاؤڈ سپیکر موجود ہوتے ہیں۔ ہر نماز کے وقت اذانوں کا شور بلند ہوتا ہے جو تھمتا نظر نہیں آتا۔ پھر ہر شہر میں دو چار دینی مدرسے بھی پائے جاتے ہیں اور بڑے شہروں میں دارالعلوم یعنی دینی علوم کی یونیورسٹیاں عظمتِ اسلام کا پرچم بلند کئے ہوئے ہیں۔ تدریس و تلقین کے ان اداروں کے علاوہ دینی اخبارات و رسائل بھی بکثرت شائع ہو رہے ہیں۔ پھر تقریباً ہر روز نامے میں ''فلمی صفحہ'' کے ساتھ ساتھ ''دینی صفحہ'' بھی شائع کیا جاتا ہے۔ ہر چینل پر مذہبی ''ٹاک شو'' بھی ہوتا ہے۔ پھر ہر نماز کے وقت ماشاءاللہ، چشمِ بددُور، مساجد نمازیوں سے پُر ہوتی ہیں۔ تِل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ ایسے ''مقدس'' مذہبی معاشرے میں' اللہ اور رسولؐ کی تعلیمات کا بول بالا ہونا چاہیئے۔ اسلامی اقدار کی حکمرانی کی وجہ سے معاشرے میں امن اور سکون کا دور دورہ ہونا چاہیئے۔ اسلامی سیرت کی برکات کے نتیجے میں ہر طرف فرشتے ہی رواں دواں نظر آنے چاہئیں۔ اس مذہبی اور رُوحانی ماحول میں ہر سمت' ہر جگہ' ہر مقام پر حجاب میں ملبوس حورانِ بہشتی اور سبز، سفید، سیاہ غرض ہر رنگ کی پگڑیوں اور عماموں کی چمک دمک کے ساتھ صف دَر صف غلمان نظر آنے چاہئیں۔ یہ تو وہ نقشہ ہے جو ''ہونا چاہیئے'' اب ملاحظہ فرمائیے کہ اس معاشرے کی درحقیقت کیا حالت ہے۔ ٹی وی چینلز کی رپورٹیں دیکھ لیجئے۔ اخبارات و جرائد کا مطالعہ فرمائیے۔ پاکستان کے سفر سے واپس آنے والے عزیزوں رشتہ داروں کے چشم دید تاثرات جمع کر لیجئے۔ مسجدوں، مزاروں، مدرسوں، اذانوں، سلاموں، درودوں اور مولویوں کے اس ملک کی صحیح کیفیت آپ پر روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔ اگر جان کی امان پاؤں تو دوسرے پہلو کا خلاصہ بھی پیش کر دیتا ہوں:

ا۔ کرپشن کا سیلِ رواں: معاشرہ میں ہر شخص ''کرپشن'' کی شکایت کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ کرپشن ہر شعبہء زندگی میں سرایت کر گئی۔ حتّٰی کہ حج بیت اللہ جیسی مقدس عبادت بھی اس کی زَد میں آ گئی ہے۔ اس حوالے سے میڈیا میں بعض اہم دینی شخصیات کی پگڑیاں اُچھالی جا رہی ہیں۔

ب۔ اغوائے برائے تاوان: یہ عذاب معاشرے کا رستا ہوا ناسور بن گیا ہے۔ کم سن بچے، عورتیں، بوڑھے، نوجوان، مسافر، مقیم، ملکی، غیر ملکی جو ہاتھ لگتا ہے۔ اغواء کر کے اُسکے لواحقین سے لاکھوں روپے کے تاوان کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ امریکہ، برطانیہ اور یورپی ممالک سے جانے والے پاکستان تارکینِ وطن کے بچے ان کے ''مرغوب'' ٹارگٹ ثابت

ہو رہے ہیں۔بعض بچے تاوان کی ادائیگی کے بعد بھی قتل کر دیئے گئے ہیں۔اس سے بھی بدتر گناہ کم سن بچوں اور بچیوں کا جنسی جرائم کیلئے اغوا ہے۔ایسے معصوموں کو بدکاری اور گینگ ریپ کے بعد قتل کر دیا گیا۔اب تک کسی مُلاّ،مولوی،خطیب کو ان جرائم کی مذمت کی توفیق نہیں ملی۔اس بے حسی پر مسجدوں کے میناروں اور مدرسوں کی دیواروں کو ماتم کرنا چاہیئے۔

جہادی مقاصد کیلئے چوری اور ڈکیتی

جہادی ایجنڈے پر عملدرآمد کیلئے آمد وخرچ کا بھاری بجٹ درکار ہوتا ہے،اس ضرورت کے پیشِ نظر ان تنظیموں کے ایجنٹ کاریں اور موٹر سائیکلیں چوری کر کے فروخت کرتے ہیں۔ان کو پُرزہ پُرزہ کر کے اُن کے ہاں Spare parts بیچنے کی سہولت بھی موجود ہے۔بنکوں میں ڈکیتی کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔حکومتِ الٰہیہ کے قیام کے اعلیٰ وارفع مقصد کیلئے اس قسم کی آمد ''مالِ غنیمت'' کا پاک مال سمجھا جاتا ہے۔حالانکہ اسلام میں ''مالِ حرام'' صرف اور صرف ''مالِ حرام'' ہی ہوتا ہے۔

طبقہء نسواں پر مظالم

یوں تو اکثر ممالک میں عورتیں مقہور اور مظلوم ہیں مگر پاکستانی معاشرے میں یہ مظالم طبقہء نسواں کے خلاف انتہا کو پہنچ چکے ہیں۔رشتہ کے انکار پر قتل کر دینا،یا تیزاب پھینک کر چہرہ اور بدن مسخ کر دینا ایک معمول بن چکا ہے چند روز ہی کی خبر ہے،گھات میں بیٹھے ہوئے ایک ناکام و نامراد ''امیدوار رشتہ'' نے بارات کے آتے ہی موقع پا کر ''دُولہا'' کو قتل کر دیا۔گھریلو ناچاکی پر بیوی کے کان،ناک،ہونٹ کاٹ دینا ایک عام سی بات سمجھی جانے لگی ہے۔لڑکیاں پیدا کرنے کے جرم پر بیوی کے ہاتھ تیز درانتی سے کاٹنے کی خبر چند دن پہلے سُنی۔بہت سی بیبیاں ایدھی سنٹرز یا دارالامان مراکز میں پناہ لینے پر مجبور ہو رہی ہیں۔

جعل سازی،دھوکہ دہی

لین دین میں دھوکہ،لالچ کیلئے قتل،جائیداد پر ناجائز قبضہ،روز کا معمول بن چکا ہے۔پاکستان کی سپریم کورٹ کے ایک جج کے بھائی نے غنڈوں کے تعاون سے اپنے بوڑھے ماں باپ کو قتل کر دیا۔یہ واقعہ لاہور میں پیش آیا۔جعلی ڈگریوں کا چلن،غیر ممالک میں لوگوں کو سمگل کرنے کا کاروبار،جعلی پاسپورٹ،ویزے اور دستاویزیں اصل سے بھی بہتر تیار کی جاتی ہیں۔غذاؤں اور دواؤں میں ملاوٹ کے فن میں وہاں ہمارے لوگوں کو یدِ طولیٰ حاصل ہے۔

خُودکش حملے اور دہشت گردی کی وارداتیں

ایسے واقعات اور وارداتیں بدقسمتی سے وطن عزیز کی پہچان بن چکے ہیں۔حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں اس قسم کی ظالمانہ خون ریزی کی کوئی گنجائش نہیں مگر یہی جرائم قرآن وسنت کے نام پر کئے جا رہے ہیں۔دنیا کے کسی مقام پر اسلام کے نام پر دہشت گردی کی واردات ہوتی ہے تو اس کی جڑیں انجام کار پاکستان تک پہنچتی ہیں۔

معاشرتی خرابیاں تو اور بھی ہیں۔مگر غور وفکر کیلئے یہ چند مثالیں کافی ہیں۔میرا ہر محبّ وطن دردمند اور حسّاس پاکستانی سے یہ سوال ہے کہ وہ معاشرے کے ان دونوں پہلوؤں کو کیسے ہم آہنگ کر سکتا ہے؟اس صورتِ حال سے تو یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مذہب سے وابستگی سطحی سیناریو ہے۔ہمارا مذہبی جوش وخروش،پیاز کے چھلکے کی طرح ہماری شخصیت کے گرد لپٹا ہوا ہے اور ہم تقویٰ کی اُس گہرائی سے محروم ہیں،جسے اسلام ہماری عملی زندگی کے ہر پہلو میں کارفرما دیکھنا چاہتا ہے۔عشقِ رسولؐ تو ایسی مبارک نعمت ہے کہ اس کی پاک تاثیرات رگ وپے میں سرایت کر کے ایسے افراد کی شخصیت وکردار کو بدل دیتی ہیں اور سارا معاشرہ عملاً جنت نظیر بن جاتا ہے۔کیا ہمیں پاکستان میں موجود معاشرہ کیلئے یہ دعویٰ کرنے کی جرأت ہے؟

جماعت احمدیہ کی قابل تقلید حکمتِ عملی

نبوت ورسالت اور امامت وخلافت ایسی عظیم الشان روحانی نعمتیں ہیں جو معاشرے کیلئے سراسر برکت ورحمت ہیں کیونکہ برکاتِ ہدایت اور انوارِ فراست سے معاشرہ منور ہو جاتا

ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسلام کی تائید میں فتح نصیب جرنیل کی طرح عمر بھر قلمی جہاد میں مصروف رہے۔حضرت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ پر غیر مسلم نقادوں کے اعتراضات کا ٹھوس ردّ فراہم کیا اس طرح ایک نئی شان کا لٹریچر وجود میں آیا۔حضورؑ کی زندگی میں بھی ایسی ناپاک کتابیں شائع ہوئیں مثلاً ایک عیسائی مرتد، احمد شاہ شائق نے 1897 میں ایک دل آزار کتاب ''اُمہات المومنین'' شائع کی اور اس کی ایک ہزار کاپیاں مسلمانوں میں مفت تقسیم کیں۔عام مسلمانوں نے حسب معمول یہی مطالبہ کیا کہ حکومت کتاب کو ضبط کرلے۔لیکن حضورؑ نے یہی نصیحت کی کہ ایک کتاب یا پمفلٹ کی بحق سرکار ضبطی کے بعد ناپاک سرشت کے لوگ اسی قسم کی کتابیں لکھ کر پھیلا سکتے ہیں۔اس کا موثر علاج یہی ہے کہ تمام اعتراضات کا ٹھوس اور مسکت ردّ لکھ کر شائع کیا جائے۔حضورؑ نے حکومت کو بھی توجہ دلائی کہ قانون سازی کے ذریعے بانیانِ مذاہب کے احترام و تقدیس کو یقینی بنایا جائے اور مختلف مذاہب کے پیروؤں کو پابند کیا جائے کہ وہ دوسروں کے مقدس بزرگوں اور عقاید و نظریات پر بیجا اعتراضات کرنے کی بجائے اپنے اپنے مذاہب کی خوبیاں بیان کریں۔افسوس کہ حکومت نے اُس وقت اس تجویز پر غور نہ کیا۔مگر حضورؑ کی جماعت کیلئے اس حوالے سے ایک بابرکت لائحہ عمل سامنے آ گیا۔دسمبر 1896ء میں لاہور میں منعقد ہونے والے جلسہ مذاہب کیلئے اللہ تعالیٰ کی تائید سے حضورؑ نے ایک عظیم الشان مقالہ تحریر فرمایا جو جماعت میں ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کے نام سے مشہور ہے اس کتاب کے مختلف زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔حضورؑ کے اندازِ فکر، نرمی، تہذیب اور اخلاق سے ابلاغِ حق کی پالیسی کو جماعت کے خُلفائے عظام نے جاری رکھا۔اس پالیسی کا نتیجہ ہے کہ آج بین المذاہب جلسے (انٹرفیتھ ڈائیلاگ)، پیشوایانِ مذاہب کے اجلاس، اور جلسہ ہائے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم جماعت احمدیہ عالمگیر کی امتیازی خصوصیت اور پہچان بن چکے ہیں۔آج کی اس تحریر میں راقم الحروف جلسہ ہائے سیرت النبیؐ کی بات کرنا چاہتا ہے اور اس حوالے سے منصب خلافت کے نور فراست کا ذکر بھی شاملِ حال ہو جائے گا۔

1927ء میں لیکھرام صفت ہندو، راجپال نے ''رنگیلا رسول'' کے عنوان سے ایک ناپاک کتاب شائع کی۔اُسی سال ہندو رسالہ ورتمان میں افسانوی رنگ میں حضرت نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس پر حملے کئے گئے۔اس زہر کے تریاق کے طور پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ہندوستان بھر میں سیرۃ النبی ﷺ کے جلسے منعقد کرنے کی تحریک پیش فرمائی۔روایتی مولود النبیؐ کے دن کی بجائے، ان جلسوں کیلئے حضور نے ایک اور دن (17 جون 1928ء) مقرر فرمایا تا ہندوؤں، سکھوں اور دوسرے غیر مسلموں کو کثرت سے ان جلسوں میں شامل کیا جا سکے۔غیر مسلم عمومی تاثر کے پیش نظر محافل میلاد النبیؐ کو بھی عبادات وغیرہ کی مجالس سمجھتے ہیں۔حضورؓ نے اس سال سیرت النبیؐ کے جلسوں کیلئے عناوین بھی تجویز فرمائے۔نیز کم از کم ایک ہزار مقررین تیار کرنے کا حکم دیا۔یہ ذمہ داری حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال سیکرٹری ترقی اسلام کو سپرد کی۔مقررین کی راہنمائی اور مدد کیلئے 5000 کی تعداد میں سیرت النبیؐ کے عناوین پر مواد شائع کیا گیا۔اس سال اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے 1419 مقررین نے اس کارِ خیر کیلئے خود کو پیش کیا۔ہندوستان کے طول و عرض میں سیرت النبیؐ کے جلسے منعقد ہوئے۔پریس نے ان جلسوں کے انعقاد پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور جماعتِ احمدیہ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔بیرونی ممالک میں بھی ایسے جلسے منعقد کئے گئے۔تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ 36 پر ایسے 13 ممالک کے نام دیئے گئے ہیں۔

اگلے سال بھی سیرت النبی ﷺ کے جلسے اُسی جوش و خروش سے ہندوستان کے مختلف مقامات پر منعقد کئے گئے۔اس سال کیلئے 2 جون 1929 کا دن مقرر کیا گیا۔اس سال بھی 31 مئی 1929ء کو الفضل نے خاتم النبیین نمبر شائع کیا۔تاریخ احمدیت جلد 5 کے صفحات 135 تا 139 پر اس سال کی تفاصیل ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے جلسہ ہائے سیرت النبیؐ کا انعقاد جماعت کے تربیتی اور تبلیغی پروگرام کا اہم حصہ بن گیا۔حسب موقع خلفائے سلسلہ کی طرف سے ایسی راہنمائی کا سلسلہ جاری رہا۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے عہد خلافت میں ملعون سلمان رشدی نے ایک ناول (The Satanic Verses) لکھا۔اس کے مندرجات سے عالم اسلام میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔امام آیت اللہ خمینی نے اُسے قتل کرنے کا فتویٰ دیا جو چند سالوں بعد حکومتِ ایران نے واپس لے لیا۔حضورؒ نے ظالم رُشدی کی مذمت کی اور حضورؒ کی ہدایات کی روشنی میں محمد ارشد احمدی نے اس ناول کی خرافات و ہفوات کے ردّ میں، 1997ء میں ایک ٹھوس کتاب (Rushdi Haunted by his Ghosts) لکھی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے جماعت سیرالیون کے سالانہ جلسہ کیلئے یہ ارشاد بھیجا کہ ہر سال تین روزہ جلسہ کے پہلے روز، افتتاح کے بعد پہلی تقریر سیرت النبی ﷺ کے کسی پہلو پر کی جائے۔عین ممکن ہے کہ یہ حکم دوسرے افریقن ممالک کیلئے بھی ہو۔اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس عاجز کو سیرالیون میں کئی سال سیرتِ نبویؐ کے کسی پہلو پر اظہار خیال کی توفیق ملتی رہی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے عہد خلافت میں ڈنمارک کے ایک اخبار نے حضرت نبی کریم ﷺ کی شانِ اقدس میں بے ادبی کرتے ہوئے اشتعال

انگیز خاکے شائع کئے ۔بعض مسلم ممالک میں جلاؤ گھیراؤ اور تشدد کے واقعات کے علاوہ جانی نقصان ہوا۔اس کے ردِّعمل میں بعض اور یورپی ممالک نے بھی ان ناپاک خاکوں کو بار بار چھاپا۔کچھ عرصہ بعد پوپ بینی ڈکٹ نے بھی ایک تقریر میں نامناسب ریمارکس سے مسلمانانِ عالم کو مشتعل کر دیا۔ایک مرتبہ پھر خلافتِ حقہ سے وابستہ نُور فراست نے جماعت کی راہنمائی کی۔حضور نے خطباتِ جمعہ میں ان تمام اعتراضات کا ردّ پیش فرمایا اور جماعت کو تشدد کی بجائے حکمت اور حلم سے اعتراضات کا ازالہ کرنے کی تلقین فرمائی۔ حضورِانور کے ان خطبات کا انگریزی ترجمہ بھی 2006ء میں شائع ہو چکا ہے۔سفارت خانوں پر حملوں، توڑ پھوڑ اور قتل و غارت کے ردِّعمل میں، مخالفین اور ناقدین اور بھی سخت پوزیشن اختیار کر سکتے ہیں۔لیکن یہ ممکن ہے کہ خلوص اور دردِ دل سے لکھے ہوئے اور دعاؤں میں لپٹے ہوئے کلمات سخت دلوں کو بھی موم کی طرح نرم کر دیں!

علمائے کرام سے ایک گزارش

ایک بار پھر پاکستانی معاشرے کی حالتِ زار کا نقشہ ذہن میں تازہ کیجئے۔صاف ظاہر ہے کہ معاشرتی اصلاح کیلئے بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔حضرت نبی کریم ﷺ نے ایک جنگی مہم سے واپسی پر صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے انہیں ایک نئے اور بہتر جہاد کی طرف متوجہ فرمایا۔

یعنی ''جہادِ اصغر'' سے'' جہادِ اکبر'' کی طرف واپس آنے کا ذکر فرمایا۔حضور ﷺ نے خنجر و شمشیر کے جہاد کو'' جہادِ اصغر'' قرار دیا اور نفس کی تطہیر اور معاشرے کی اصلاح کو'' جہادِ اکبر'' کا نام دیا۔پاکستان میں جنرل ضیاء الحق کے عہد سے اب تک بہت'' جہاد'' ہو چکا ہے حتّٰی کہ کچھ عرصہ سے اس نے دہشت گردی اور خودکش حملوں کی شکل اختیار کر لی ہے۔لوگ اب تک نہیں بھولے کہ کراچی میں 12 ربیع الاول (11 اپریل 2006ء) کو عین حالت نماز میں خودکش حملہ آور نے جشنِ میلاد کی ایک ریلی کے ساتھ نشتر پارک میں داخل ہوا، خود کو دھماکے سے اُڑا لیا۔علماء سمیت، 47 لوگ جاں بحق ہوئے اور پچاس سے زاید زخمی۔اب وقت آ گیا ہے ساری توجہ'' جہادِ اکبر'' پر مرتکز کر دی جائے۔اور معاشرے کو ہر قسم کی خرابیوں اور خامیوں سے پاک کرنے کی بھرپور مہم چلائی جائے۔علماء، دانش ور، سیاسی اور مذہبی رہنما، اساتذہ، کالم نگار، میڈیا اینکرز، والدین، طلبہ، غرض سب کو اس جہادِ اکبر میں شامل ہونے کی ضرورت ہے۔علماء اور مشائخ کو بہترین مواقع میسر ہیں۔ملک کی ہزاروں مساجد میں، ہر جمعہ کو، مجموعی طور پر لاکھوں سامعین ان کے سامنے موجود ہوتے ہیں۔ اب علماء کو سیاسی یا دوسرے عناوین پر اشتعال انگیز تقریریں کرنے کی بجائے معاشرتی خرابیوں کے قلع قمع کیلئے خطبات میں سیرتِ نبویؐ کے پہلوؤں کے حوالے سے گفتگو کرنی چاہیئے۔اگر علماء ہر سال ان 50 خطبات کو اس مقصد کیلئے وقف کر دیں تو انشاء اللہ قوم کی کایا پلٹ سکتی ہے۔اسی طرح اگر ہر سال جشن ولادت رسولؐ کے موقع پر زیادہ زور سیرت النبیؐ کے جلسوں پر دیا جائے تو یہ دن اور زیادہ بابرکت نتائج کا حامل ہو جائے گا۔علماء اور مشائخ سالہا سال سے تزئین و آرائش اور ریلیوں اور جلوسوں کا سیرت کے عناوین پر اہتمام کرتے آئے ہیں۔چند سال سیرت النبیؐ کے جلسوں پر زور دے کر دیکھ لیں۔ان مواقع پر لٹریچر، پمفلٹ، فلائرز اور دو ورقے نیز اخبارات و جرائد کے'' خاتم النبیینؐ '' یا ''رحمت اللعالمین'' سپیشل ایڈیشن یا نمبر بھی شائع کئے جانے چاہئیں۔جماعت احمدیہ کی 1928ء اور 1929ء کی مساعی کا ماڈل سامنے موجود ہے۔اس مضمون میں بھی ان کا ذکر آ چکا ہے۔

اس مضمون کو میں ایک مشہور کالم نویس، جناب جاوید چوہدری کے درج ذیل الفاظ پر ختم کرنا چاہتا ہوں:

''یہ درست ہے کہ ہمیں عاشقِ رسولؐ ہونا چاہیئے کیونکہ عشقِ رسولؐ کے بغیر ہمارا ایمان مکمل نہیں ہوتا لیکن ہمیں عاشق کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کا اُمّتی بھی تو ہونا چاہیئے۔ ہماری زندگی میں رسول اللہ ﷺ کے کسی ایک قول کی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔ہم اعمال میں دُنیا کی بدترین قوم ہیں۔ہماری زندگیوں میں نہ خوفِ خدا دکھائی دیتا ہے نہ ہی سُنّتِ رسول ﷺ لیکن اس کے باوجود ہم عشقِ رسول ﷺ کے دعوے کرتے ہوئے تھکتے نہیں۔ہم سے بڑا ظالم کون ہے؟ ہمارے رسول ﷺ کو اس وقت عاشقوں سے زیادہ اُمّتیوں کی ضرورت ہے اور عالم اسلام میں عاشق تو کروڑوں ہیں لیکن آپؐ کا اُمّتی کوئی نہیں۔''

(روزنامہ ایکسپریس' 6 جنوری 2011 بحوالہ روزنامہ الفضل ربوہ، 27 جنوری 2011 صفحہ 6)

قسط دوم

ابتلاؤں اور مظالم کے خوفناک ادوار اور جماعت احمدیہ کی ترقیات و روشن مستقبل

سید شمشاد احمد ناصر، مربی سلسلہ، لاس اینجلس امریکہ

جوں جوں اسلام پھیلتا گیا اور آنحضرت ﷺ کی دعوت ایمان لوگوں کو پہنچتی رہی، مخالفت اور عداوت اور تکالیف مزید بڑھتی چلی گئیں یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ کو ہجرت کرنے کا ارشاد فرمایا۔ اور صحابہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر مسلمانوں کا سوشل بائیکاٹ کیا گیا اور انہیں اور آنحضرت ﷺ کو شعب ابی طالب میں تین سال کے عرصہ تک محصور ہونا پڑا۔

سفر طائف میں کس قدر تکالیف برداشت کیں۔ پہاڑوں کے فرشتے نے آکر عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو اس پہاڑ سے ان کو کچل دوں مگر رحمۃ اللعالمینؐ نے فرمایا نہیں۔ اور ان کی ہدایت کے لیے دعا کی۔ سر ولیم میور اپنی کتاب ''لائف آف محمد'' میں لکھتے ہیں:۔

''محمد (ﷺ) کے طائف کے سفر میں ایک شاندار شجاعانہ رنگ پایا جاتا ہے۔ اکیلا آدمی جسے اس کی اپنی قوم نے حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور اسے دھتکار دیا خدا کے نام پر بہادری کے ساتھ نینوا کے یوناہ نبی کی طرح ایک بت پرست شہر کو توبہ کی اور خدائی مشن کی دعوت دینے کے لئے نکلا اور یہ امر اس کے ایمان پر کہ وہ اپنے آپ کو کلی طور پر خدا کی طرف سے سمجھتا تھا ایک بہت تیز روشنی ڈالتا ہے۔'' (صفحہ:128)

ان مظالم اور تبلیغ میں روک کے باعث آنحضرت ﷺ کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرنا پڑی مگر یہاں پر بھی امن سے رہنے نہ دیا گیا۔ مکہ والوں نے متعدد بار مدینہ پر چڑھائی کی اور حملہ کیا اور جنگیں کیں۔ بہرحال ان سب ظلموں کی داستان ایک لمبی داستان ہے جس کو یہاں نقل کرنا مشکل ہے۔ ان ظلموں، ہنسی ٹھٹھہ اور تکالیف ومصائب کا ایک چھوٹا سا خاکہ کھینچا گیا ہے جو خدا کے سب سے زیادہ پیارے نبی اور آپ کے صحابہ کو برداشت کرنے پڑے۔ لیکن جس طرح صبر اور ہمت اور دعاؤں سے کام لیتے ہوئے آپ اور آپ کے صحابہ نے اس کا مقابلہ کیا یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اسلام دنیا کے اکناف عالم میں پھیل گیا۔ پس صبر اور دعائیں اور مستقل مزاجی ہی ایسے اوصاف ہیں جو خدا کی نگاہ میں پسندیدہ ہیں اور بالآخر اس کو جیت اور غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ آپ دیکھ لیں کہ ہمارے پیارے آقا کو مکہ و مدینہ میں تکلیفیں دینے والے ابوجہل، ابولہب، عتبہ، شیبہ اور دیگر سرداران کفار واصل جہنم ہوئے یا نہیں۔ اور آپ کامیاب و کامران، مظفر و منصور ٹھہرے یا نہیں۔

صلح حدیبیہ میں بھی اگرچہ سرداران قریش و مکہ نے آپ کو نعوذ باللہ ذلیل کرنا چاہا مگر اس صلح حدیبیہ کی برکتوں ہی سے آپ اور آپ کے صحابہ کرام نے مکہ فتح کیا اور ان سب تکالیف اور مظالم کا ہی نتیجہ تھا جو آپ نے اور صحابہ نے برداشت کیے کہ آپ کی زندگی ہی میں اسلام عرب سے نکل کر دیگر ممالک میں پھیلنا شروع ہوا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔

پس یہی کچھ جماعت احمدیہ کے ساتھ بھی مقدر ہے۔ خدا کا اٹل وعدہ اور سنت کہ وہ ضرور اپنے انبیاء کو غلبہ دیتا ہے لازماً جماعت احمدیہ سے بھی پورا ہوگا۔ انشاء اللہ۔

جماعت احمدیہ کا مقصد بھی دنیا میں اس حقیقی اسلام کو پھیلانا ہے جو ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ دنیا میں لائے۔ جن جن حالات سے قرون اولیٰ میں مسلمان گزرے انہی حالات سے جماعت احمدیہ کو بھی گزرنا پڑا اور پڑ رہا ہے۔

چنانچہ جب بانی جماعت احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے اذن پا کر ماموُر من اللہ ہونے کا اعلان فرمایا تو یکدم حالات تبدیل ہو گئے اور آپ کے ساتھی اور دوست بھی یک دفعہ دشمن بن گئے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب حضور کے ہم مکتب اور دوست تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پہلی کتاب براہین احمدیہ شائع ہونے پر انہوں نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ میں ایک ریویو لکھا کہ:۔

''اب ہم اپنی رائے نہایت مختصر اور بے مبالغہ الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں۔ ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں اور موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی اور آئندہ کی خبر نہیں۔ لَعَلَّ اللّٰہ یُحدِثُ بَعْدَ ذَالِکَ اَمْراً۔ اور اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔''

(بحوالہ براھین احمدیہ جلد اول صفحہ 2)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کے بعد اس تبصرہ کے لکھنے والے مولوی محمد حسین بٹالوی نے ہندوستان میں گھوم پھر کر دو سو سے زائد علماء کے فتویٰ تکفیر لے کر آپ کے خلاف شائع کئے۔ اور پھر یہیں پر بس نہیں کی بلکہ معاندین اور مخالفین سے مل کر آپ پر جھوٹے مقدمات بنا کر آپ کو عدالتوں میں گھسیٹا گیا، قتل کے منصوبے بنائے گئے۔ آپ کے ساتھ مباہلے ہوئے اور ظاہر میں آپ کو رسوا اور ذلیل و خوار کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا گیا۔

ایک طرف تو معاندین اپنے مکر و فریب میں مصروف تھے اور ادھر اللہ تعالیٰ آپ کو بار بار یہ تسلی دے رہا تھا کہ:۔

اِنِّی مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ وَ اِنِّی مُعِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِعَانَتَکَ۔

میں ہر اس شخص کو ذلیل و رسوا کروں گا جو تیری رسوائی چاہتا ہے اور ہر اس شخص کی مدد اور اعانت کروں گا جو تیری مدد کا ارادہ بھی کرے گا۔

پھر خدا تعالیٰ نے آپ کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا:۔ ''میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔''

نیز فرمایا: "I shall give you a large party of Islam."

ان تمام خدائی بشارتوں اور وعدوں کے ساتھ ساتھ دشمنوں اور معاندین احمدیت کی طرف سے مظالم اور ابتلاؤں اور مخالفتوں کا زور بھی بڑھتا چلا گیا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی نے تو ریلوے سٹیشن پر گویا ڈیرہ ہی لگالیا۔ جو شخص بھی قادیان حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کے لیے آتا اسے وہاں جانے سے منع کرتا۔ لیکن ہجوم خلق آپ کی طرف امڈتا ہی چلا آیا۔ ان دشمنوں کی جوتیاں آپ کے عشاق کو قادیان جانے سے منع کرنے میں گھس گئیں اور ادھر عشاق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جوتیاں قادیان آتے آتے گھس گئیں اور یہ بھی اس پیشگوئی کے مطابق تھا کہ لوگ تیرے پاس آئیں گے، دور دور سے آئیں گے یہاں تک کہ راستوں میں گڑھے پڑ جائیں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

مجھ پر ہر اک نے وار کیا اپنے رنگ میں	آخر ذلیل ہوگئے انجام جنگ میں
اِن کینوں میں کسی کو بھی ارماں نہیں رہا	سب کی مراد تھی کہ میں دیکھوں رہِ فنا
تھے چاہتے کہ مجھ کو دکھائیں عدم کی راہ	یا حاکموں سے پھانسی دلا کر کریں تباہ
یا کم سے کم یہ ہو کہ میں زنداں میں جاپڑوں	یا یہ کہ ذلتوں سے میں ہو جاؤں سرنگوں
یا مخبری سے ان کی کوئی اور ہی بلا	آجائے مجھ پہ یا کوئی مقبول ہو دُعا
پس ایسے ہی ارادوں سے کرکے مقدمات	چاہا گیا کہ دن مرا ہوجائے مجھ پہ رات
مجھ کو ہلاک کرنے کو سب ایک ہوگئے	سمجھا گیا میں بد پہ وہ سب نیک ہوگئے
آخر کو وہ خدا جو کریم و قدیر ہے	جو عالم القلوب و علیم و خبیر ہے
اُترا مری مدد کیلئے کرکے عہد یار	پس رہ گئے وہ سارے سیہ رُو و نامراد
کچھ ایسا فضل حضرتِ ربّ الوریٰ ہوا	سب دشمنوں کے دیکھ کے اوساں ہوئے خطا
اِک قطرہ اُس کے فضل نے دریا بنا دیا	میں خاک تھا اُسی نے ثریّا بنا دیا

میں تھا غریب و بیکس و گمنام بے ہنر	کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کدھر
لوگوں کی اِس طرف کو ذرا بھی نظر نہ تھی	میرے وجود کی بھی کسی کو خبر نہ تھی
اب دیکھتے ہو کیسا رجوعِ جہاں ہوا	اِک مرجع خواص یہی قادیاں ہوا

دشمنوں کے مکر وفریب، ان کی عداوتیں، ان کے منصوبے، ان کے مظالم سب اُنہیں پر الٹ کر پڑے۔ اور خدا تعالیٰ کے ہاتھ کا لگایا ہوا یہ پودا اپنی پوری شان اور آب وتاب کے ساتھ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے اور اس کی شاخیں ہر سو پھیل رہی ہیں۔ فالحمدللہ علی ذالک۔

یہاں پر خاکسار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ہونے والا ابتلاء اور ظلم کا ایک نہایت دردناک واقعہ بیان کرتا ہے جس کا تعلق حضرت مولوی عبداللطیف صاحب شہید رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ہے۔

حضرت مولوی عبداللطیف صاحب شہید رضی اللہ عنہ رئیس اعظم خوست افغانستان کے علاقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حج کے ارادہ سے اپنے ملک سے سفر اختیار کیا جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی کے بارہ میں معلوم ہوا تو قادیان کی راہ لی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور یہاں رہ کر آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس بارہ میں فرمایا:۔

”جب مجھ سے اُن کی ملاقات ہوئی تو قسم اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں نے ان کو اپنی پیروی اور اپنے دعویٰ کی تصدیق میں ایسا فنا شدہ پایا کہ جس سے بڑھ کر انسان کیلئے ممکن نہیں۔...... اس بزرگ مرحوم میں نہایت قابلِ رشک یہ صفت تھی کہ درحقیقت وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھتا تھا...... اُس کی ایمانی قوّت اِس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اگر مَیں اُس کو ایک بڑے سے بڑے پہاڑ سے تشبیہ دوں تو مَیں ڈرتا ہوں کہ میری تشبیہ ناقص نہ ہو......... میں کن الفاظ سے اس بزرگ مرحوم کی تعریف کروں جس نے اپنے مال اور آبرو اور جان کو میری پیروی میں یوں پھینک دیا کہ جس طرح کوئی ردّی چیز پھینک دی جاتی ہے۔“

(تذکرۃ الشھادتین صفحہ 10 ، روحانی خزائن جلد 20)

پھر حضور فرماتے ہیں:۔

”پھر عجب تر یہ کہ یہ بزرگ معمولی انسان نہیں تھا۔ بلکہ ریاست کابل میں کئی لاکھ کی ان کی اپنی جاگیر تھی اور انگریزی عملداری میں بھی بہت سی زمین تھی۔ اور طاقت علمی اس درجہ تک تھی کہ ریاست نے تمام مولویوں کا ان کو سردار قرار دیا تھا۔ وہ سب سے زیادہ عالم علم قرآن اور حدیث اور فقہ میں سمجھے جاتے تھے اور نئے امیر کی دستار بندی کی رسم بھی انہیں کے ہاتھ سے ہوتی تھی۔ اور اگر امیر فوت ہو جائے تو اُس کے جنازہ پڑھنے کیلئے بھی وہی مقرر تھے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو ہمیں معتبر ذریعہ سے پہنچی ہیں۔ اور ان کی خاص زبان سے مَیں نے سُنا تھا کہ ریاست کابل میں پچاس ہزار کے قریب اُن کے معتقد اور ارادتمند ہیں جن میں سے بعض ارکان ریاست بھی تھے۔ غرض یہ بزرگ کابل میں ایک فرد تھا۔ اور کیا علم کے لحاظ سے اور کیا تقویٰ کے لحاظ سے اور کیا جاہ اور مرتبہ کے لحاظ سے اور کیا خاندان کے لحاظ سے اُس ملک میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔“

(تذکرۃ الشھادتین صفحہ 46 ، روحانی خزائن جلد 20)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں چند ماہ گزارنے کے بعد جب آپ واپس اپنے وطن کابل تشریف لے گئے تو انہیں قید کر کے ایک قلعہ میں محصور کر دیا گیا اور امیر کابل نے حکم دیا کہ انہیں زنجیر غراغراب لگا دو جو ایک من چوبیس سیر وزنی ہوتی ہے۔ پاؤں میں آٹھ سیر وزنی بیڑی لگائی گئی اور اس تکلیف دہ حالت میں آپ کو چار ماہ تک قید رکھا گیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود اس واقعہ کی تفصیل یوں بیان فرماتے ہیں:۔

”اب ہم اس دردناک واقعہ کا باقی حصہ اپنی جماعت کیلئے لکھ کر اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ جب چار مہینے قید کے گزر گئے۔ تب امیر نے اپنے روبرو شہید مرحوم کو بلا کر پھر اپنی عام کچہری میں توبہ کیلئے فہمائش کی۔ اور بڑے زور سے رغبت دی کہ اگر تم اب بھی قادیانی کی تصدیق اور اُس کے اُصولوں کی تصدیق سے میرے روبرو انکار کرو تو تمہاری جان بخشی کی جائے گی اور تم عزّت کے ساتھ چھوڑے جاؤ گے۔ شہید مرحوم نے جواب دیا کہ یہ تو غیر ممکن ہے۔ کہ مَیں سچائی سے توبہ کروں اس دنیا کے حکام کا عذاب تو موت تک ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن میں اُس سے ڈرتا ہوں جس کا عذاب کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ ہاں چونکہ مَیں سچ پر ہوں اس لئے چاہتا ہوں کہ ان مولویوں سے جو میرے عقیدے کے

مخالف ہیں میری بحث کرائی جائے۔اگر مَیں دلائل کے رُو سے جھوٹا نکلا تو مجھے سزا دی جائے۔راوی اس قصہ کے کہتے ہیں۔کہ ہم اس گفتگو کے وقت موجود تھے۔امیر نے اس بات کو پسند کیا۔اور مسجد شاہی میں خان ملاّ خاں اور آٹھ مفتی بحث کیلئے منتخب کئے گئے۔اور ایک لاہوری ڈاکٹر جو خود پنجابی ہونے کی وجہ سے سخت مخالف تھا بطور ثالث کے مقرر کر کے بھیجا گیا۔ بحث کے وقت مجمع کثیر تھا اور دیکھنے والے کہتے ہیں۔کہ ہم اُس بحث کے وقت موجود تھے۔مباحثہ تحریری تھا صرف تحریر ہوتی تھی۔اور کوئی بات حاضرین کو سُنائی نہیں جاتی تھی۔اس لئے اُس مباحثہ کا کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔سات بجے صبح سے تین بجے سہ پہر تک مباحثہ جاری رہا۔پھر جب عصر کا آخری وقت ہوا تو کفر کا فتویٰ لگایا گیا۔اور آخر بحث میں شہید مرحوم سے یہ بھی پوچھا گیا۔کہ اگر مسیح موعود یہی قادیانی شخص ہے تو پھر تم عیسٰی علیہ السلام کی نسبت کیا کہتے ہو۔کیا وہ واپس دنیا میں آئیں گے یا نہیں۔تو انہوں نے بڑی استقامت سے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔اب وہ ہرگز واپس نہیں آئیں گے۔قرآن کریم اُن کے مرنے اور واپس نہ آنے کا گواہ ہے۔تب تو وہ لوگ ان مولویوں کی طرح جنہوں نے حضرت عیسیٰ کی بات کو سُن کر اپنے کپڑے پھاڑ دیئے تھے۔گالیاں دینے لگے۔اور کہا اب اس شخص کے کفر میں کیا شک رہا۔اور بڑی غضبناک حالت میں یہ کفر کا فتویٰ لکھا گیا۔پھر بعد اس کے اخوندزادہ حضرت شہید مرحوم اسی طرح پابہ زنجیر ہونے کی حالت میں قید خانہ میں بھیجے گئے۔اور اس جگہ یہ بات بیان کرنے سے رہ گئی ہے۔کہ جب شاہزادہ مرحوم کی اُن بدقسمت مولویوں سے بحث ہو رہی تھی تب آٹھ آدمی برہنہ تلواریں لے کر شہید مرحوم کے سر پر کھڑے تھے۔پھر بعد اس کے وہ فتویٰ کفرات کے وقت امیر صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا۔اور یہ چالاکی کی گئی۔کہ مباحثہ کے کاغذات ان کی خدمت میں عمداً نہ بھیجے گئے۔اور نہ عوام پر اُن کا مضمون ظاہر کیا گیا۔یہ صاف اس بات پر دلیل تھی۔کہ مخالف مولوی شہید مرحوم کے ثبوت پیش کردہ کا کوئی رد نہ کر سکے۔مگر افسوس امیر پر کہ اُس نے کفر کے فتویٰ پر ہی حکم لگا دیا۔اور مباحثہ کے کاغذات طلب نہ کئے۔حالانکہ اُس کو چاہیئے تو یہ تھا کہ اُس عادلِ حقیقی سے ڈر کر جس کی طرف عنقریب تمام دولت وحکومت کو چھوڑ کر واپس جائے گا خود مباحثہ کے وقت حاضر ہوتا۔بالخصوص جبکہ وہ خوب جانتا تھا کہ اس مباحثہ کا نتیجہ ایک معصوم بے گناہ کی جان ضائع کرنا ہے۔تو اس صورت میں مقتضا خدا ترسی کا یہی تھا۔کہ بہر حال افتاں وخیزاں اُس مجلس میں جاتا۔اور نیز چاہیئے تھا کہ قبل ثبوت کسی جرم کے اس شہید مظلوم پر یہ سختی روا نہ رکھتا۔کہ ناحق ایک مدت تک قید کے عذاب میں ان کو رکھتا۔اور زنجیروں اور ہتھکڑیوں کے شکنجہ میں اُس کو دبایا جاتا۔اور آٹھ سپاہی برہنہ شمشیروں کے ساتھ اس کے سر پر کھڑے کئے جاتے اور اس طرح ایک عذاب اور رُعب میں ڈال کر اُس کو ثبوت دینے سے روکا جاتا۔پھر اگر اُس نے ایسا نہ کیا تو عادلانہ حکم دینے کیلئے یہ تو اُس کا فرض تھا کہ کاغذات مباحثہ کے اپنے حضور میں طلب کرتا بلکہ پہلے سے یہ تاکید کر دیتا کہ کاغذات مباحثہ کے میرے پاس بھیج دینے چاہئیں۔اور نہ صرف اس بات پر کفایت کرتا کہ آپ ان کاغذات کو دیکھتا۔بلکہ چاہیئے تھا۔کہ سرکاری طور پر ان کاغذات کو چھپوا دیتا کہ دیکھو کیسے یہ شخص ہمارے مولویوں کے مقابل پر مغلوب ہو گیا۔اور کچھ ثبوت قادیانی کے مسیح موعود ہونے کے بارے میں اور نیز جہاد کی ممانعت میں اور حضرت مسیحؑ کے فوت ہونے کے بارے میں نہ دے سکا۔ہائے وہ معصوم اس کی نظر کے سامنے ایک بکرے کی طرح ذبح کیا گیا۔اور باوجود صادق ہونے کے اور باوجود پورا ثبوت دینے کے اور باوجود ایسی استقامت کے کہ صرف اولیاء کو دی جاتی ہے پھر بھی اُس کا پاک جسم پتھروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔اور اس کی بیوی اور اُس کے یتیم بچوں کو خوست سے گرفتار کر کے بڑی ذلّت اور عذاب کے ساتھ کسی اور جگہ حراست میں بھیجا گیا۔اے نادان! کیا مسلمانوں میں اختلاف مذہب اور رائے کی یہی سزا ہوا کرتی ہے۔تو نے کیا سوچ کر یہ خون کر دیا۔سلطنت انگریزی جو اس امیر کی نگاہ میں اور نیز اُس کے مولویوں کے خیال میں ایک کافر کی سلطنت ہے کس قدر مختلف فرقے اس سلطنت کے زیر سایہ رہتے ہیں۔کیا اب تک اس سلطنت نے کسی مسلمان یا ہندو کو اس قصور کی بناء پر پھانسی دے دیا کہ اس کی رائے پادریوں کی رائے کے مخالف ہے۔ہائے افسوس آسمان کے نیچے یہ بڑا ظلم ہوا کہ ایک بے گناہ معصوم باوجود صادق ہونے کے باوجود اہل حق ہونے کے اور باوجود اس کے کہ وہ ہزار ہا معزز لوگوں کی شہادت سے تقویٰ اور طہارت کے پاک پیرایہ سے مزین تھا۔اس طرح بے رحمی سے محض اختلاف مذہب کی وجہ سے مارا گیا۔........افسوس اس امیر کو کم سے کم اپنے مولویوں سے یہ تو پوچھنا چاہیئے تھا۔کہ یہ سنگساری کا فتویٰ کس قسم کے کفر پر دیا گیا۔اور اس اختلاف کو کیوں کفر میں داخل کیا گیا۔اور کیوں انہیں یہ نہ کہا گیا کہ تمہارے فرقوں میں خود اختلاف بہت ہے۔کیا ایک فرقہ کو چھوڑ کر دوسروں کو سنگسار کرنا چاہیئے۔جس امیر کا یہ طریق اور یہ عمل ہے۔نہ معلوم وہ خدا کو کیا جواب دے گا۔

بعد اس کے کہ فتویٰ کفر لگا کر شہید مرحوم قید خانہ بھیجا گیا۔صبح روز دوشنبہ کو شہید موصوف کو سلام خانہ یعنی خاص مکان دربار امیر صاحب میں بلایا گیا۔اُس وقت بھی بڑا مجمع تھا۔امیر صاحب جب ارک یعنی قلعہ سے نکلے تو راستہ میں شہید مرحوم ایک جگہ بیٹھے تھے اُن کے پاس ہو کر گزرے اور پوچھا کہ اخوندزادہ صاحب کیا فیصلہ ہوا۔شہید مرحوم کچھ نہ بولے۔کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان لوگوں نے ظلم پر کمر باندھی ہے۔مگر سپاہیوں میں سے کسی نے کہا کہ ملامت ہو گیا یعنی کفر کا فتویٰ لگ گیا۔پھر امیر صاحب جب اپنے اجلاس پر آئے تو

اجلاس میں بیٹھتے ہی پہلے اخوندزادہ صاحب مرحوم کو بلایا۔ اور کہا کہ آپ پر کفر کا فتویٰ لگ گیا ہے۔ اب کہو کہ کیا توبہ کرو گے یا سزا پاؤ گے تو انہوں نے صاف لفظوں میں انکار کیا۔ اور کہا کہ مَیں حق سے توبہ نہیں کرسکتا۔ کیا مَیں جان کے خوف سے باطل کو مان لوں۔ یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ تب امیر نے دوبارہ توبہ کیلئے کہا۔ اور توبہ کی حالت میں بہت امید دی اور وعدہ معافی دیا۔ مگر شہید موصوف نے بڑے زور سے انکار کیا۔ اور کہا کہ مجھ سے یہ امید مت رکھو کہ میں سچائی سے توبہ کروں۔ ان باتوں کو بیان کرنے والے کہتے ہیں۔ کہ یہ سُنی سنائی باتیں نہیں بلکہ ہم خود اس مجمع میں موجود تھے اور مجمع کثیر تھا۔ شہید مرحوم ہر ایک فہمائش کا زور سے انکار کرتا تھا اور وہ اپنے لئے فیصلہ کر چکا تھا کہ ضرور ہے کہ میں اس راہ میں جان دوں تب اُس نے یہ بھی کہا کہ میں بعد قتل چھ روز تک پھر زندہ ہو جاؤں گا....... شہید مرحوم نے مر کر میری جماعت کو ایک نمونہ دیا ہے۔ اور درحقیقت میری جماعت ایک بڑے نمونہ کی محتاج تھی۔

.......جب شہید مرحوم نے ہر ایک مرتبہ توبہ کرنے کی فہمائش پر توبہ کرنے سے انکار کیا تو امیر نے اُن سے مایوس ہو کر اپنے ہاتھ سے ایک لمبا چوڑا کاغذ لکھا اور اس میں مولویوں کا فتویٰ درج کیا اور اس میں یہ لکھا۔ کہ ایسے کافر کی سنگسار کرنا سزا ہے تب وہ فتویٰ اخوندزادہ مرحوم کے گلے میں لٹکا دیا گیا۔ اور پھر امیر نے حکم دیا۔ کہ شہید مرحوم کے ناک میں چھید کر کے اس میں رسّی ڈال دی جائے۔ اور اُسی رسّی سے شہید مرحوم کو کھینچ کر مقتل یعنی سنگسار کرنے کی جگہ تک پہنچایا جائے۔ چنانچہ اس ظالم امیر کے حکم سے ایسا ہی کیا گیا اور ناک کو چھید کر سخت عذاب کے ساتھ اُس میں رسی ڈالی گئی۔ تب اُس رسّی کے ذریعہ سے شہید مرحوم کو نہایت ٹھٹھے ہنسی اور گالیوں اور لعنت کے ساتھ مقتل تک لے گئے۔ اور امیر اپنے تمام مصاحبوں کے ساتھ اور مع قاضیوں۔ مفتیوں اور دیگر اہلکاروں کے یہ دردناک نظارہ دیکھتا ہوا مقتل تک پہنچا۔ اور شہر کی ہزار ہا مخلوق جن کا شمار کرنا مشکل ہے۔ اس تماشا کے دیکھنے کیلئے گئی۔ جب مقتل پر پہنچے تو شاہزادہ مرحوم کو کمر تک زمین میں گاڑ دیا اور پھر اس حالت میں جبکہ وہ کمر تک زمین میں گاڑ دیئے گئے تھے امیر اُن کے پاس گیا اور کہا کہ اگر تو قادیانی سے جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے انکار کرے تو اب بھی مَیں تجھے بچالیتا ہوں۔ اب تیرا آخری وقت ہے اور یہ آخری موقعہ ہے جو تجھے دیا جاتا ہے اور اپنی جان اور اپنے عیال پر رحم کر۔ تب شہید مرحوم نے جواب دیا۔ کہ نعوذ باللہ سچائی سے کیونکر انکار ہوسکتا ہے۔ اور جان کیا حقیقت ہے۔ اور عیال و اطفال کیا چیز ہیں۔ جن کیلئے مَیں ایمان کو چھوڑ دوں۔ مجھ سے ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اور مَیں حق کیلئے مروں گا۔ تب قاضیوں اور فقیہوں نے شور مچایا کہ کافر ہے کافر ہے۔ اس کو جلد سنگسار کرو۔ اس وقت امیر اور اُس کا بھائی نصراللہ خاں اور قاضی اور عبدالاحد کمیدان یہ لوگ سوار تھے۔ اور باقی تمام لوگ پیادہ تھے۔ جب ایسی نازک حالت میں شہید مرحوم نے بار بار کہہ دیا۔ کہ مَیں ایمان کو جان پر مقدم رکھتا ہوں۔ تب امیر نے اپنے قاضی کو حکم دیا کہ پہلا پتھر تم چلاؤ۔ کہ تم نے کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ قاضی نے کہا کہ آپ بادشاہ وقت ہیں۔ آپ چلاویں۔ تب امیر نے جواب دیا کہ شریعت کے تم ہی بادشاہ ہو اور تمہارا ہی فتویٰ ہے۔ اس میں میرا کوئی دخل نہیں۔ تب قاضی نے گھوڑے سے اُتر کر ایک پتھر چلایا۔ جس پتھر سے شہید مرحوم کو زخم کاری لگا اور گردن جھک گئی۔ پھر بعد اس کے بدقسمت امیر نے اپنے ہاتھ سے پتھر چلایا۔ پھر کیا تھا اس کی پیروی سے ہزاروں پتھر اس شہید پر پڑنے لگے۔ اور کوئی حاضرین میں سے ایسا نہ تھا جس نے اس شہید مرحوم کی طرف پتھر نہ پھینکا ہو۔ یہاں تک کہ کثرت پتھروں سے شہید مرحوم کے سر پر ایک کوٹھہ پتھروں کا جمع ہوگیا۔ پھر امیر نے واپس ہونے کے وقت کہا کہ یہ شخص کہتا تھا۔ کہ مَیں چھ روز تک زندہ ہو جاؤں گا۔ اس پر چھ روز تک پہرہ رہنا چاہئے۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ ظلم یعنی سنگسار کرنا ۱۴ر جولائی کو وقوع میں آیا۔ اس بیان میں اکثر حصہ اُن لوگوں کا ہے جو اس سلسلہ کے مخالف تھے جنھوں نے یہ بھی اقرار کیا کہ ہم نے بھی پتھر مارے تھے۔ اور بعض ایسے آدمی بھی اس بیان میں داخل ہیں کہ شہید مرحوم کے پوشیدہ شاگرد تھے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ واقعہ اس سے زیادہ دردناک ہے۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ امیر کے ظلم کو پورے طور پر ظاہر کرنا کسی نے روا نہیں رکھا اور جو کچھ ہم نے لکھا ہے بہت سے خطوط کے مشترک مطلب سے ہم نے خلاصۃً لکھا ہے۔ ہر ایک قصّہ میں اکثر مبالغہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ قصّہ ہے کہ لوگوں نے امیر سے ڈر کر اُس کا ظلم پورا پورا بیان نہیں کیا اور بہت سی پردہ پوشی کرنی چاہی۔ شاہزادہ عبداللطیف کیلئے جو شہادت مقدر تھی وہ ہو چکی اب ظالم کا پاداش باقی ہے۔ اِنَّهٗ مَن يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰي۔ (طٰہٰ :75) افسوس کہ یہ امیر زیر آیت مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا۔ (النساء :94) داخل ہوگیا۔ اور ایک ذرہ خدا تعالیٰ کا خوف نہ کیا۔ اور مومن بھی ایسا مومن کہ اگر کابل کی تمام سرزمین میں اُس کی نظیر تلاش کی جائے تو تلاش کرنا لاحاصل ہے۔ ایسے لوگ اکسیر احمر کے حکم میں ہیں۔ جو صدق دل سے ایمان اور حق کیلئے جان بھی فدا کرتے ہیں۔ اور زن و فرزند کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتے۔ **اے عبداللطیف تیرے پر ہزاروں رحمتیں کہ تو نے میری زندگی میں ہی اپنے صدق کا نمونہ دکھایا۔** اور جو لوگ میری جماعت سے میری موت کے بعد رہیں گے۔ مَیں نہیں جانتا کہ وہ کیا کام کریں گے۔''

(تذکرۃ الشہادتین صفحہ54 تا 60 ، روحانی خزائن جلد 20) (جاری ہے)

احمدیہ خلافت ۔ ایک عظیم نعمت

میر غلام احمد نسیم شاہد ایم ۔اے، مربی سلسلہ احمدیہ (ر)

اس مضمون میں چند ایسے پیش آمدہ خوشگوار واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خلافت ایک عظیم نعمت ہے۔ ان واقعات میں سے چند ایک چشم دید اور اکثر عاجز سے خود پیش آمدہ ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے قیام پاکستان سے لے کر آپ کے وصال تک کی کچھ یادیں اور باتیں ہیں۔ اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ادوارِ خلافت کے کچھ ایمان افروز واقعات کا ذکر ہے اور آخر پر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے ملاقات اور عاجز کی تصنیف ملنے پر اظہار خوشنودی کا ذکر ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد قدرت ثانیہ یعنی خلافت کا قیام حضرت مولانا حکیم نورالدین کے انتخاب کے ذریعہ عمل میں آیا۔ آپ کے انتقال کے بعد 1914ء میں حضرت مسیح موعودؑ کے فرزندِ ارجمند' حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب خلافت کے منصب پر متمکن ہوئے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بھرپور زندگی سے نوازا اور کم وبیش 51 سال خلافت کے منصب جلیلہ پر فائز رہے۔ آپ کے وقت میں جماعت احمدیہ نے بہت سی ترقیات کی منازل طے کیں۔ آپ نے ہی جماعت کی تنظیمیں انصار، خدام، اطفال اور لجنہ قائم کیں۔ تحریک جدید اور وقف جدید قائم کر کے دعوت الی اللہ کے نظام کو دنیا بھر کیلئے جاری فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے برابر ترقی پذیر ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے کارناموں کا شمار کرنا میرا مقصد نہیں۔ وہ تو بے شمار ہیں۔ اس تحریر سے صرف اپنی یادوں کے دریچے سے چند کا تذکرہ تحدیث نعمت کے طور پر مقصود ہے۔ 15 اگست 1947ء کو برصغیر کی تقسیم سے پاکستان کے قیام پر جماعت کو قادیان سے پاکستان ہجرت کرنی پڑی۔ عارضی قیام لاہور کرنا پڑا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ رتن باغ لاہور میں قیام پذیر تھے کہ میں اگست 1948ء میں دینی تعلیم کے حصول کیلئے لاہور گیا کیونکہ اس وقت جماعت کے تمام دفاتر لاہور میں ہی تھے۔ وقف زندگی ہونے کی بناء پر وکالت دیوان تحریک جدید کے دفتر میں حاضری دی۔ انٹرویو کے بعد ارشاد ملا کہ احمد نگر چلے جاؤ کیونکہ مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ وہاں ہیں اور داخلہ لے لو۔ احمد نگر روانگی سے قبل ''رتن باغ'' لاہور میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی زیارت ہوئی اور آپ کی اقتداء میں چند نمازیں ادا کرنے کی توفیق ملی۔

احمد نگر

احمد نگر کی مختصر سی بستی جس کا سابق نام ڈگیاں جسے مقامی زبان میں ''ڈھڈیان'' کہا جاتا تھا' ربوہ سے قریباً غربی جانب کچھ فاصلے پر واقع ہے۔ برصغیر کی تقسیم کے موقع پر وہاں کے ہندو رہائشی ترک مکانی کر گئے تھے۔ ان کی چھوڑی دو حویلیوں کو مدرسہ اور جامعہ احمدیہ کے عارضی قیام کیلئے مختار اتھارٹی سے حاصل کر کے ان میں سے ایک میں تدریس ہوتی تھی اور دوسری میں ہوسٹل قائم کیا گیا تھا۔ یہ دونوں عمارتیں اتنی وسیع تھیں کہ ایک میں مدرسہ احمدیہ کی چار کلاسیں اور جامعہ احمدیہ کی دو کلاسیں جن میں لگ بھگ اسّی تو ے طلبہ ہوتے تھے کی تدریس ممکن ہوگئی تھی اور اسی طرح ہوسٹل میں بھی کم وبیش اتنی ہی تعداد کا قیام ممکن ہوگیا تھا۔ یہ حویلیاں وہاں کے بڑے زمینداروں کی ملکیت تھیں اور ان کی فیملیوں کی رہائش کے ساتھ ان کے مویشیوں کیلئے بھی استعمال ہوتی تھیں۔ ان متروکہ عمارتوں یا حویلیوں میں مدرسہ اور جامعہ احمدیہ 1956ء تک یعنی قریباً آٹھ سال رہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی احمد نگر تشریف آوری

حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ 20 ستمبر 1948ء کو نئی بستی ربوہ کی سنگِ بنیاد رکھنے کیلئے لاہور سے تشریف لائے اور اپنے مبارک ہاتھ سے جماعت احمدیہ کے نئے مرکز ربوہ کی بنیاد رکھی اور واپس لاہور تشریف لے گئے۔ نئی بستی بسانا آسان نہیں۔ ''بستی بستی ہے بستے بستے'' کے مصداق بستی کا تفصیلی نقشہ تیار کرنے کی ہدایات برابر لاہور سے ربوہ میں موجود کارکنان کو بھجواتے رہے۔ 7 نومبر 1948ء کو حضورؓ اس نئی بستی کے بارے میں ایک پریس کانفرنس کے انعقاد اور اسے خطاب فرمانے کیلئے لاہور سے ربوہ تشریف لائے۔ اس پریس کانفرنس کا اس وقت کے اخبارات میں خوب چرچا ہوا۔ اسی

ماہ 27 نومبر کو حضور احمد نگر تشریف لائے اور جامعہ احمدیہ اور مدرسہ احمدیہ کے طلبہ اور اساتذہ سے ایمان افروز خطاب فرمایا۔ بعد ازاں احمد نگر میں زیر تعمیر احمدیہ مسجد میں مغرب کی نماز کی امامت فرما کر گویا مسجد کا افتتاح فرما دیا۔

ربوہ میں پہلا جلسہ سالانہ

ربوہ میں پہلا جلسہ سالانہ 15 اپریل 1949 کو شروع ہوا۔ اس جلسہ کی اہم بات یہ تھی کہ حضور نے افتتاحی تقریر کے آغاز میں ابراہیمی دعا (سورۃ ابراہیم 14:38) کو منتخب کیا اور اسے بار بار دہرایا اور سامعین بھی آپ کی اقتداء میں دہراتے رہے۔ حضور 19 ستمبر 1949ء کو ربوہ میں مستقل قیام کی غرض سے لاہور سے تشریف لائے اور دریائے چناب کے پل سے گزرنے کے بعد موٹر سے اتر آئے اور دیگر ساتھی بھی اتر آئے اور قبلہ رُخ ہو کر دعا "رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًانَّصِیْرًا۔" ترجمہ: اے میرے ربّ! مجھے اس طرح داخل کر کہ میرا داخل ہونا سچائی کے ساتھ ہو اور مجھے اسطرح نکال کہ میرا نکلنا سچائی کے ساتھ ہو اور اپنی جناب سے میرے لئے طاقتور مددگار عطا کر۔ (سورہ بنی اسرائیل: 17:18) پڑھنی شروع کی اور دہراتے ہوئے وہاں سے روانہ ہوئے اور دیگر قافلے والے بھی آپ کی اقتداء میں یہ دعا دہراتے ہوئے روانہ ہو کر مقصود مقام جہاں اب فضل عمر ہسپتال قائم ہے، پہنچے۔

میں نے مدرسہ احمدیہ میں جو اسوقت احمد نگر میں قائم تھا۔ داخلہ اگست 1948ء میں لیا تھا مدرسہ احمدیہ اور جامعہ کے تمام طلبہ حضور کی ربوہ آمد پر ڈیوٹیاں دینے پر مامور ہوتے تھے۔ لہٰذا میں بھی ان تمام مذکور موقعوں پر ڈیوٹی پر متعین ہوتا رہا۔ جلسہ سالانہ جو دسمبر 1948ء میں حسب دستور لاہور میں منعقد ہوا تھا اس میں بھی حاضر ہوا تھا اور پھر 15 اپریل 1949ء یعنی ساڑھے چار ماہ بعد ربوہ کی بے آب و گیاہ جگہ پر منعقد ہونے والا جلسہ سالانہ تو بہت ہی یاد ہے۔ جلسہ کے دوران عارضی لنگر خانہ میں فرائض انجام دیتا رہا۔ جلسہ ختم ہونے پر اکثر مہمان روانہ ہو گئے اور اس سے اگلے روز ہم نے بھی اپنی اپنی قیام گاہوں میں چلے جانا تھا۔ ڈیوٹی پر متعین چند افراد جن میں زیادہ تر جامعہ احمدیہ کے طلبہ ہی تھے عشاء کے بعد اکٹھے ہوئے ان میں صاحبِ ذوق بھی تھے ایک صاحبِ ذوق نے ایک نظم پڑھی تھی جس کا پہلا مصرعہ کچھ یوں تھا ع

"دیس کی پر کیف رنگیں سی فضاؤں میں ۔۔۔"

اس مصرعہ نے اور پھر پڑھنے والے کی آواز کے جادو نے تمام ڈیوٹی پر حاضر افراد کو متوجہ کر لیا اور ان کی استدعا پر پوری نظم سنائی گئی تھی۔ اس کی وجہ سے فرائض کی ادائیگی کی وجہ سے جو تھکاوٹ تھی کم ہو گئی اور پھر سکون سے رات بسر ہوئی۔

حضرت مصلح موعودؓ کے ربوہ میں مستقل قیام 1949ء کے بعد حضور کی صحت والی حیات مبارک میں کسی نہ کسی طرح رابطہ رہا۔ عید کے تہوار کے موقعوں پر مصافحہ میسر ہوتا رہا کیونکہ حضور عید کی نماز پڑھانے کے بعد مسجد مبارک میں کچھ دیر قیام فرماتے اور حاضرین کو مصافحہ کرنے کی اجازت سے نوازا کرتے تھے۔ ایک آدھ مرتبہ جامعہ کے سٹاف اور طلبہ کی دریائے چناب پر پکنک پر بھی حضور نے شمولیت کے شرف سے نوازا تھا اور ہم طلبہ میں سے بعض نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق مہذب مگر پُر لطف لطائف بھی سنائے تھے۔

ربوہ کے قیام کے ابتدائی عرصہ میں حضور کے دو صاحبزادوں کی شادیوں میں مدرسہ احمدیہ کے طلباء کے نمائندہ کے طور پر شرکت کا شرف بھی حاصل ہوا تھا کیونکہ اس دَور میں مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ کی ہر جماعت میں سے دو طلبہ کو منتخب کر کے شادی کی تقریب میں بھجوایا جاتا تھا۔ حضور کے جمعہ کے خطبات اور جلسہ سالانہ کی تقاریر سننے اور روح پرور اثر لینے کی توفیق ملتی رہی۔ حضور کی جلسہ سالانہ کی تقاریر طویل مگر نہایت متاثر کن ہوا کرتی تھیں۔ تقاریر کا انداز اس قسم کا ہوا کرتا تھا کہ سامعین بعض اوقات کسی واقعہ کے بیان پر آبدیدہ ہو جاتے اور پھر اسی تقریر میں کوئی ایسا پُر لطف واقعہ بیان فرماتے جس کے سنتے ہی سامعین لطف اندوز ہو کر ہنس پڑتے۔ حضور کی خطابت اور تقاریر میں ایسی روانی ہوتی کہ سننے والے عالم فاضل بھی حیران رہ جاتے مگر دلچسپی سے برابر سنتے رہتے۔ ایک جلسہ سالانہ کی تقریر میں "اسلام کے موسیقارو" اس انداز سے حضور نے ادا فرمایا کہ سامعین میں سے ہر ایک کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ وہ اسلام کا موسیقار بن کر دعوت الی اللہ کی توفیق پائے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ

حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفہ منتخب ہونے سے قبل جب کہ آپ تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے پرنسپل تھے میری ان سے کسی نہ کسی مقصد کیلئے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ جامعہ احمدیہ میں جب کوئی تقریب ہوتی تو جامعہ کی طرف سے دعوت ملنے پر آپ تشریف لاتے اور طلباء کو خطاب سے نوازتے اور طلباء کو شرف مصافحہ سے نوازتے۔ اسی طرح کالج میں کوئی اہم تقریب ہوتی تو جامعہ احمدیہ کے سٹاف اور طلبہ کو شمولیت کی دعوت ملنے پر شامل ہوتے اور تقریب کے اختتام پر ملاقات ہوتی۔ تعلیم الاسلام کالج میں ایم اے عربی کی تدریس کا آغاز ہوا۔ میں نے ایم۔ اے کی کلاس میں 1965ء میں داخلہ لیا تو

ملاقاتوں میں اضافہ ہوا اور آپ کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اسی سال 8 نومبر کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اس دارِ فانی سے دارالبقاء کی طرف روانہ ہوگئے۔ تجہیز و تکفین سے قبل نئے انتخاب کیلئے اپنا حق ووٹ استعمال کرنے کیلئے مسجد مبارک میں حاضر ہوا۔ وقت مقررہ پر سب ممبران جنہیں قواعد کے مطابق خلافت کے انتخاب میں ووٹ ڈالنے کا حق حاصل تھا مسجد میں پہنچ گئے۔ افسردہ حالت میں جبکہ دل خدا کے خوف سے لرزاں ہوتے ہیں ترساں و لرزاں حلف برداری ہوئی۔ خدا تعالیٰ کے حضور دعائیں اور التجائیں کرتے ہوئے کہ اے قادر مطلق صحیح فیصلہ کی توفیق دے۔ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کے حق میں خلافت ثالثہ کیلئے منتخب ہونے کیلئے ووٹ ڈالا۔ بعد کے واقعات نے ثابت کیا کہ خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق سے نوازا تھا۔ ایم اے کے امتحان میں کامیابی حاصل ہوئی۔ ڈگریوں کے حصول کے وقت مولوی ابوالعطاء کی درخواست پر آپ نے ہماری کلاس کو ملاقات کی اجازت دی، عربی کلاس کے تمام پروفیسروں اور اس سال کی کلاس کے ہمراہ تصویر لی گئی اس تصویر میں ہم چند طلبہ آپ کے قدموں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

آپ کے خلافت پر متمکن ہونے کے جلد بعد میرا تقرر بطور مربی سلسلہ گی آنا۔ جنوبی امریکہ کیلئے ہوا۔ گی آنا روانگی سے قبل کوٹلی، آزاد کشمیر رشتہ داروں سے ملنے کیلئے گیا۔ ان میں میرے دو بھائی بھی اپنی فیملیوں کے ساتھ قیام پذیر تھے جو اسی سال مقبوضہ کشمیر سے 1965ء کی پاک و ہند جنگ کے دوران نقل مکانی کر کے آئے تھے اور کوٹلی میں بہت ناگفتہ بہ حالات میں قیام پذیر تھے۔ ان سے ملاقات کر کے ربوہ واپس آیا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں گی آنا روانگی سے قبل ملاقات کیلئے حاضر ہوا۔ حضور نے ضروری ہدایات اور میدانِ عمل میں کام کرنے کے طریق اور نصائح فرمائیں۔ جب یہ اہم گفتگو انجام کو پہنچی تو میں نے عرض کیا کہ ایک ضروری بات ہے اگر اجازت ہو تو بیان کروں۔ حضور نے بڑی فیاضی سے فرمایا کہ اجازت ہے۔ اجازت ملنے پر میں نے عرض کیا کہ حضور میرے دو بھائی اپنے بال بچوں کے ہمراہ کوٹلی میں بڑی کسمپرسی کی حالت میں قیام پذیر ہیں اگر آپ اجازت عنایت فرماویں تو وہ ربوہ آجائیں۔ میری گزارش بڑی توجہ سے سننے کے بعد آپ نے فرمایا کہ حکومت وقت کے انتظام کے تحت وہ وہاں قیام پذیر ہیں لہٰذا یہی مناسب ہے کہ وہ انتظار کریں اور حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے کسی بہتر مستقبل کی امید رکھیں۔ اپنے بھائیوں کو حضور کے ارشاد کی اطلاع بھجوا دی اور گی آنا روانہ ہو گیا اور وہ کوٹلی ہی میں مقیم رہے۔ کچھ عرصہ بعد اطلاع ملی کہ حکومت پاکستان نے ان مہاجر خاندانوں کو پاکستان کے مختلف مقامات میں بسانے کا فیصلہ کیا ہے اور اس فیصلہ کے مطابق ہمارے دونوں بھائیوں کو ضلع جھنگ میں ساڑھے بارہ ایکڑ فی خاندان زرعی زمین الاٹ ہو گئی ہے۔ اگر وہ اس وقت حکومت وقت کے انتظام سے الگ ہو جاتے جیسا کہ میری تجویز تھی تو ان کو یہ رعایت نہ ملتی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے خلیفہ وقت کی ہر بات اور ہر نصیحت اور ہر حکم میں کوئی نہ کوئی خاص حکمت ہوتی ہے اس لئے اس کو ماننا اور اس کے مطابق عمل کرنا ہی مناسب ہوتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے دَور خلافت میں زیادہ تر عرصہ میرا قیام بیرونی ممالک میں رہا اور قرب کے مواقع زیادہ میسر نہ آسکے۔ تاہم بیرونِ پاکستان دعوت الی اللہ میں مشغول رہتے ہوئے بھی دعائیہ خط لکھنے اور حضور کی طرف سے جواب موصول ہونے سے رابطہ قائم رہا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلافت کے منصب جلیلہ پر متمکن ہونے سے قبل ''میاں طاہر'' کے نام سے متعارف تھے۔ ہم سب ہی آپ کو اسی نام سے یاد کرتے تھے۔ آپ سے ہماری جان پہچان جامعہ احمدیہ کے طالبعلمی کے دَور سے ہی تھی لیکن یہ جان پہچان علیک سلیک تک ہی محدود تھی۔ جب بھی کبھی برسرِراہ آمنا سامنا ہوتا تو آپ السلام علیکم کہنے میں ہم سے سبقت لے جایا کرتے تھے۔ وقفِ جدید قائم ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس کی ذمہ داری آپ کے سپرد کر دی تھی۔ دفتر وقف جدید کے ایک مختصر کمرہ میں رہا۔ آپ نے خدمت خلق کی غرض سے ہومیو پیتھک ڈسپنسری قائم کی ہوئی تھی جس میں عموماً بعد نماز عصر مریضوں کا معائنہ فرماتے اور مفت دوائی دیتے تھے اور علاج کرانے والے مریض اکثر شفاء پاتے۔ تحریک جدید کے مربّی ہونے کی حیثیت سے مجھے زیادہ تر عرصہ اس دَور میں بیرونِ پاکستان ہی خدمت کا موقعہ میسر تھا۔ جب ربوہ واپسی ہوتی تو ربوہ میں قیام کبھی دو سال اور کبھی تین سال ہوتا اور پھر واپس بیرونِ ملک چلا جاتا تھا تاہم غالباً سن ستر کی دہائی میں آپ صدر مجلس انصاراللہ مرکزیہ تھے اور اس وقت میں ربوہ میں ہی تھا کہ آپ نے مجھے سیکرٹری دعوت الی اللہ کے طور پر خدمات بجالانے کیلئے مقرر کیا اور اس حیثیت سے مجھے بعض اوقات آپ کے ساتھ بعض مقامات پر انصاراللہ کے اجلاسوں میں شرکت کا موقعہ ملتا رہا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے وصال پُر ملال کے وقت میں ربوہ ہی تھا۔ خلافت کے انتخاب میں مجھے ممبر ہونے کی حیثیت حاصل تھی سب ممبر مسجد مبارک میں اکٹھے ہوئے اور دعا کر رہے تھے کہ یا ربّ صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق ملے کہ اسی دوران جب حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کا نام پیش ہوا تو فوراً قلب و ذہن نے رہنمائی کی اور ووٹ آپ کے حق میں استعمال کیا۔ آپ کے خلیفہ منتخب ہونے پر یقین اور بھی پختہ ہو گیا کہ واقعی خلیفہ خدا بناتا ہے۔ آپ کے خلافت کے منصب جلیلہ پر فائز ہونے کے کچھ عرصہ بعد ہم فیملی کے ہمراہ ملاقات کیلئے گئے اور ملاقات کے دوران گفتگو میں فرمایا کہ'' آپ نے اپنے بچوں کی اچھی تربیت کی ہے''۔ میں نے اپنی اہلیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

عرض کیا کہ یہ بچے ان ہی کے تربیت یافتہ ہیں کیونکہ میں تو اس دوران زیادہ عرصہ دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں بیرون ملک رہا ہوں۔ ملاقات ختم ہونے پر ہم نے بطور نذرانہ کچھ رقم دینے کی کوشش کی تو آپ نے فرمایا ''میں وقف زندگی سے تحفہ نہیں لیتا''۔

آپ کے خلافت کے منصب پر متمکن ہونے کے بعد ہم نے ربوہ میں آپ کے پُر معارف خطبات جمعہ اور تقاریر قریباً دو سال ہی سنیں اور پھر ہمارے اپنے ہی دیس میں جب ہمارے لئے نماز کیلئے اذان کہنا بھی ممنوع قرار دیا گیا تو آپ ترکِ وطن کر کے انگلینڈ تشریف لے گئے اور اسطرح ہم آپ کے پُر معارف خطبات آپ کے سامنے بیٹھ کر سننے سے تو محروم ہو گئے تاہم وہاں سے آپ کے خطبات کی آڈیو کیسٹ حاصل کر کے سنتے رہے۔ صدر ضیاء الحق جس نے جماعت کی اذانوں پر پابندی لگائی تھی کی حادثاتی موت کی خبر سے ہمیں خیال تھا کہ آپ کوئی خاص تبصرہ اپنے خطبہ میں فرمائیں گے جو اس کے انتہائی غیر منصفانہ فعل پر تنقید کی صورت میں ہو گا لیکن ہم نے آپ کی زبان مبارک سے جب یہ مصرعہ ادا ہوتے سنا۔

''دشمن مرے تے خوشی نہ کریئے سجناں وی مرجانا''

تو خوشگوار حیرانی ہوئی اور آپ کی وسعتِ قلبی کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔

مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ پر جب آپ کے خطبات اور تقاریر آنے شروع ہوئے تو اس وقت ربوہ میں ان نشریات کو سننے کیلئے انتظامات محدود تھے۔ جماعت کے اداروں نے اپنے دفاتر میں ٹیلیویژن پر پروگرام دکھانے کے انتظامات کئے ہوئے تھے۔ تحریک جدید کے کوارٹرز میں رہائش پذیر احباب کے لئے دفتر انصار اللہ مرکزیہ میں انتظام تھا اور ہم وہاں جا کر خطبات سنا کرتے تھے۔ احمدیہ ٹیلیویژن کے آغاز والے سال کی عید کا خطبہ سننے کیلئے ہم وہاں گئے اور پُر معارف عید کے خطبہ کے آخر پر جب آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

او یار ربّ حوالے میلے چار دناں دے
او دن عید مبارک ہوسی جس دن آن ملاں گے

تو اکثر حاضرین کی آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں۔ لیکن اس خیال نے ڈھارس دی کہ آپ نے اہالیانِ ربوہ اور پاکستان سے آن ملنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس خواہش کو پورا کرے گا اور ہماری التجاؤں کو بھی قبول فرمائے گا اور آپ ہم سے آن ملیں گے۔ اس تمنا اور خواہش میں دن، مہینے اور پھر کئی سال گزر گئے۔ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ آپ کا قیام لنڈن میں ہی اشاعتِ دین کیلئے موزوں تھا کہ وہاں سے ساری دنیا میں دعوت الی اللہ کے زیادہ مواقع میسر تھے۔ ایم ٹی اے پر خطاب نشر ہونے پر آپ کی تصویر آتی تو کمسن بچوں کو بتلاتے کہ یہ خلیفۃ المسیح الرابعؒ ہیں اسی طرح کئی سال بیت گئے اور پھر ہمارے لئے یہ حسنِ اتفاق ہوا کہ ہم امریکہ چلے آئے اور امریکہ کے 1997ء کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر آپ لنڈن سے تشریف لائے اور ہمیں شرف ملاقات میسر آیا۔ ملاقات پر اچانک میرے منہ سے یہ جملہ ادا ہوا کہ 13 سال بعد ملاقات ہو رہی ہے۔ بہر کیف آپ سے عرصہ بعد ملاقات ہوئی جو کچھ ایسی تھی ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدم و بہار آخر شد

19 اپریل 2003ء کو ہمیں امریکہ میں ہی خبر ملی کہ آپ دارالقضاء کے سفر پر روانہ ہو گئے ہیں اس سفر سے تو کسی کو مفر نہیں۔ لیکن ہم اب بھی آپ کا درس القرآن ایم ٹی اے پر آپ ہی کی زبان سے سنتے ہیں اور شبیہہ مبارک دیکھتے ہیں۔ گویا ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما!

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

حضرت مرزا مسرور احمد صاحب ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ مرکزیہ تھے کہ ہماری امریکہ سے واپسی ہوئی۔ نظارت علیاء کے دفتر میں ملاقات کیلئے حاضر ہوا اور اپنا نام بتایا تو آپ نے فرماتے ہوئے کہ میں آپ کو جانتا ہوں میز کے سامنے کی کرسی پر بیٹھنے کیلئے ارشاد فرمایا اور مختصر گفتگو کے بعد اجازت لی اور دفتر سے چلا آیا۔ کچھ عرصہ ربوہ میں قیام کے بعد بوجوہ ہم پھر امریکہ واپس لوٹ آئے امریکہ میں ہی قیام تھا کہ آپ خلافت کے منصبِ جلیلہ پر فائز ہوئے اور قریباً ایک سال بعد میں اپنی اہلیہ امتہ المنان قمر صاحبہ سابق ہیڈ مسٹریس فضل عمر گرلز ہائی سکول ربوہ اور بیٹے ڈاکٹر مقبول احمد صاحب کے ہمراہ لنڈن ملاقات کیلئے گیا۔ ملاقات کے دفتر میں دورانِ ملاقات مختصر لیکن دلچسپ گفتگو ہوئی اور دعا کی درخواست کرتے ہوئے رخصت ہونے سے قبل آپ کے ساتھ تصویر بنوانے کا شرف حاصل ہوا۔ گزشتہ سال ''یو۔کے'' کے جلسہ سالانہ میں شمولیت کیلئے سنٹرل نیوجرسی جماعت کے صدر ڈاکٹر امتیاز احمد صاحب لنڈن جا رہے تھے کہ میں نے ان کے ذریعہ اپنی تصنیف کردہ کتاب ''تصوّف۔ روحانی سائنس'' آپ کی خدمت میں بھجوائی بعد میں آپ کی طرف سے یہ خوبصورت تبصرہ ملا۔ ''مکرم میر غلام احمد صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ کا خط ملا جس کے ساتھ آپ نے تصوّف کے موضوع پر اپنی کتاب بھجوائی ہے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم و معرفت میں برکت دے۔ ہر دم آپ کی تائید و نصرت فرمائے۔ آپ کو صحت و عافیت سے رکھے اور اپنے بے شمار فضلوں اور انعامات کا وارث بنائے، آمین۔''

قسط دوم

اطاعت اور اسلام میں اسکی اہمیت

امتہ اللطیف، آسٹن

آپ ﷺ کے دل میں حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد بھی آپؐ کے لئے بہت قدر اور پیار تھا۔ایک بار حضرت عائشہؓ نے کہا آپ ہر وقت انہی کو یاد کرتے رہتے ہیں یعنی حضرت عائشہؓ کے موجود ہونے کے باوجود۔آپ ﷺ نے جواباً حضرت خدیجہؓ کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا''عائشہ تجھے معلوم نہیں خدیجہ نے میرے ساتھ کس وفاداری سے ساتھ دیا۔ہر مصیبت میں ہر مشکل میں اس نے میری خاطر قربانی دی۔کیا میں اُسے بھول سکتا ہوں۔''

حضرت خولہؓ کی بہادری اور اطاعت کا کارنامہ کون بھلا سکتا ہے ان کے بھائی رومیوں کے قید میں تھے۔ان کو چھڑالانا نہایت مشکل تھا۔خولہ کے دل میں ان کا بار بار خیال آتا۔لیکن پردہ دار خاتون شاید ایسا نہ کر سکے چونکہ پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا اور اس اطاعت سے منہ موڑنا ناممکن تھا۔لہٰذا حکمِ خداوندی کی اطاعت کرتے ہوئے پردے کی پوری پوری پاسداری کرتے ہوئے چہرے پر عبا ڈالی۔اور ایک نڈر شہسوار کی طرح اپنے بھائی کو رومیوں کے نرغے سے نکال لائیں۔جب مسلمانوں کو پتہ چلا تو ان کے امیر نے بلا کر معلوم کرنے کی کوشش کی کہ یہ کون نوجوان ہے جس نے اتنا دلیرانہ قدم اٹھایا ہے۔جب عبا اُٹھانے کا حکم دیا تا کہ وہ اس نوجوان کو جان سکیں۔خولہؓ نے یہ کہہ کر عبا اٹھانے سے انکار کیا کہ میں اللہ کے حکم کی فرمانبرداری تو کر سکتی ہوں نافرمانی نہیں۔اسلئے چہرے سے عبا نہیں ہٹا سکتی۔پھر ازواجِ مطہرات کی اطاعت اور فرمانبرداری کی مثال قدم قدم پر ملتی ہے۔جب یہ حکم نازل ہوا۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى(الاحزاب:34)

صدیوں کے طور طریق رنگ ڈھنگ جو عرب عورتوں میں رائج تھے۔وہ سب یکسر ترک کر کے عین قرآن کے حکم کے مطابق ازواجِ مطہرات کا اپنے آپ کو ڈھال لینا سادگی کو اپناتے ہوئے تمام مومن عورتوں کیلئے ایک رول ماڈل بننا آسان نہ تھا۔مگر ازواجِ مطہرات نے خوشی خوشی اطاعت کے جذبے کے تحت ہر حکم کو مانا اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی حسین پیکرِ اطاعت کا درجہ پایا۔پھر جب حکم ملا کہ آپؐ کے ساتھ نہایت سادگی کی زندگی بسر کرنا یا آسائش کی زندگی اپنانا دونوں میں سے ایک کو چننا تھا۔تو اللہ نے جواباً اجرِ عظیم کا انعام دینے کا وعدہ فرمایا۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَاَعْتَدْنَالَهَا رِزْقًا كَرِيْمًاO

اطاعت اللہ اور رسول کا کتنا بڑا اجر' جوان کو زندگیوں میں سادگی اور نیکی اپنانے کے عوض ملنا تھا اسکی نوید مل گئی۔اس حکم کے نازل ہونے کے بعد ازواجِ مطہرات میں ایک بھی ایسی نہ تھی جس نے اطاعتِ رسول کی زندگی کو دنیاوی آسائش کی زندگی پر ترجیح نہ دی ہو۔

یہ تھا آپؐ کا دور جس کو محمدؐ کا جلالی دور کہا جاتا ہے جس میں مکمل ضلالت کے بعد ہدایت وحکمت پانے والے اور آنحضور ﷺ کے معجزات اور برکات کا مشاہدہ کرنے والے اور یقین و اطاعت کرنے کے بعد ان میں ایک روح پیدا ہوگئی جو قریباً تمام اصحاب میں موجود تھی۔

مرد وزن، بچے سب ایک ہی اطاعت کی لڑی کی طرح پروئے گئے۔آپ کا زمانہ سراجِ منیر کا جلالی زمانہ تھا جس میں صحابہ نے معجزات اور آپ کی قوت قدسیہ سے روحانی ترقیات کے وہ زینے طے کئے جو صرف آپؐ کے ساتھ ہی وابستہ ہیں۔آپؐ کو اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کی آیت سے اپنے مشن کی تکمیل کا علم خدا نے دیا تھا اور ساتھ ہی اپنی امّت کے بارے میں بھی خدا سے اطلاع پا چکے تھے کہ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ یعنی تمام بنی نوع انسان کیلئے قیامت تک کیلئے تمام قوموں کی ہدایت کیلئے امت محمدیہ کو چُنا گیا۔اسلئے حبل اللہ کو مضبوطی سے تھامے رکھنے کی بار بار تاکید فرمائی۔کیونکہ اس کو تھامے رکھنے کے بغیر یہ کام ناممکن ہے اور وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ کیونکہ آپ کی پوری پوری پیروی کرنے سے ایسی امت تیار ہو سکتی ہے جو رہتی دنیا تک دوسروں کو ہدایت کا راستہ دکھاتی رہے۔یعنی خود مکمل اطاعت کرنے والے ہی دوسروں کو مکمل اطاعت کرنے کے گُر سکھاتے سکتے ہیں۔اور یہ مکمل اطاعت سکھانے والا مذہب صرف اسلام ہی ہے جو اللہ کو مقبول ہے۔وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ۔امتِ محمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے اُمَّةً

وَسَطًا قرار دیا آپؐ کے دورِ رسالت میں اطاعت کیلئے اللہ نے ایک تاکیدی حکم دیا تھا۔

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ۔۔۔تَسلِیْمًا کہ کوئی تصفیہ طلب امر ہو اللہ اور رسول کے حکم کی روشنی میں طے کرو اور اگر اللہ کا رسول فیصلہ کریں تو بلاچون و چراں اسکو کھلے دل سے قبول کرو۔ آپؐ کی زندگی میں سب نے اطاعت و فرمانبرداری کے اس سنہرے اصول کو اپنی جانوں اور عزتوں سے زیادہ عزیز رکھا۔ جس کی وجہ سے مخدوش حالات میں سے خیریت سے باہر نکل آئے۔ جیسے قرآن میں آتا ہے وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا اور ایسے حالات میں نبی بھی پکار اٹھے مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ لیکن مسلمانوں کے قدم نہ لڑکھڑائے نہ تزلزل اختیار کیا بلکہ کامیاب و کامران اُبھرے اور قابل تقلید نمونے تاریخ میں چھوڑے۔ اطاعت کتنی قابل توجہ چیز ہے اور پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا۔

حَبْلُ اللّٰہِ کیا ہے۔ قرآن کریم۔ آپؐ کا اسوۂ حسنہ ان کو مضبوطی سے تھامے رکھیں حبل اللہ کو تھامنے کا دوسرا نام اطاعت ہے آپؐ نے فرمایا تھا اسکو مضبوطی سے پکڑے رکھنا ہاتھ سے نہ جانے دینا ورنہ آزمائش میں پڑ جاؤ گے۔ اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کئے رکھنا۔ جو کچھ کہا جائے غور سے سُننا۔ اور فرمانبرداری کو اپنا شیوہ بنانا۔ خواہ کوئی حبشی غلام ہی تمہارا امیر کیوں نہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا ''جو لوگ میرے بعد ہونگے وہ لوگوں میں بڑا اختلاف دیکھیں گے ایسے وقت میں میری وصیت یہی ہے کہ تم میری سنت پر عمل کرو اور میرے بعد آنے والے خلفائے راشدین کی سنّت اختیار کرو۔''

عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمُھْتَدِیِّیْنَ تَمَسَّکُوْا بِھَا وَعَضُّوْا عَلَیْھَا بِالنَّوَاجِذِ۔ آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ آنے والے وقتوں میں امتِ محمدیہ اطاعت کو چھوڑ بیٹھے گی۔ اور مشکل حالات سے دوچار ہو گی۔ آپؐ کو یہ خوف نہ تھا یہ لوگ مشرک ہو جائیں گے بلکہ یہ تھا کہ اطاعت کو بالائے طاق رکھ کر حرص و ہوا میں پھنس جائیں گے فرمایا:

اِنِّیْ وَاللّٰہِ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ وَلٰکِنْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْھَا۔ (مسلم کتاب الفضائل، بخاری)

آپؐ خاتم النبیین بنی نوع انسان کیلئے قیامت تک کیلئے تعلیم لے کر مبعوث ہوئے۔ قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ آپؐ نے فرمایا کہ خلفاء کی سنت بھی تمہارے لئے اسوہ ہے آپؐ پر جو صفاتِ الٰہیہ کا رنگ چڑھا ہے وہ رنگ اور حسن کسی زمانہ میں صاف طور پر نظر نہ آئے تو خلفاء کی طرف دیکھ لینا۔ بلکہ میرے نائب ہونے کی حیثیت سے ان میں میرا ہی حسن جلوہ گر ہے ان پر میرا رنگ چڑھا ہے ان کے اندر میرا ہی حُسن اور میری ہی سنت کا اسوہ نظر آئے گا۔ اسلئے اُن کی پیروی کرنا۔ اگر زمانہ کی دُوری یا مکان کی دُوری کی وجہ سے تمہیں کوئی شبہ پیدا ہوا تو اس وقت جو میرے نائب اور خلفاء ہونگے ان کے اندر میری سنت اور میرے حسن کا اسوہ نظر آئے گا۔ اسلئے تم انکی پیروی کرنا۔'' آپؐ نے اپنے زمانے کو اور خلفاء کے زمانے کو بہترین زمانہ قرار دیا۔

آپؐ نے فرمایا۔

تَکُوْنُ النُّبُوَّۃُ فِیْکُمْ مَاشَاءَ اللّٰہُ اَنْ تَکُوْنَ ثُمَّ یَرْفَعُھَا اللّٰہُ تَعَالٰی ثُمَّ تَکُوْنَ خِلَافَۃٌ عَلٰی مِنْھَاجِ النُّبُوَّۃِ مَاشَآءَ اللّٰہُ اَنْ تَکُوْنَ ثُمَّ یَرْفَعُھَا اللّٰہُ تَعَالٰی ثُمَّ تَکُوْنَ مُلْکًا عَاضًّا فَتَکُوْنَ مَاشَآءَ اللّٰہُ اَنْ تَکُوْنَ ثُمَّ یَرْفَعُھَا اللّٰہُ تَعَالٰی ثُمَّ تَکُوْنَ مُلْکًا جَبْرِیَّۃً فَیَکُوْنَ ثُمَّ یَرْفَعُھَا اللّٰہُ تَعَالٰی ثُمَّ تَکُوْنُ خِلَافَۃٌ عَلٰی مِنْھَاجِ النُّبُوَّۃِ ثُمَّ سَکَتَ۔

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا تم میں نبوت قائم رہے گی جبتک اللہ چاہے گا پھر وہ اس کو اٹھالے گا پھر ایذا رساں بادشاہت قائم ہوگی۔ پھر اسکے بعد جابر بادشاہت قائم ہوگی پھر اسکو ختم کردے گا۔ پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بعد میں آنے والے حالات کی تصویر بتادی اور دکھادی تین صدیوں کو بہتر قرار دے کر پھر ایک ہزار سال کا فیج اعوج اور پھر آخرین کا دور جو بہتر ہوگا۔

آپ نے فرمایا:

خَیْرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اَوَّلُھَا وَاٰخِرُھَا اَوَّلُھَا فِیْھِمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَاٰخِرُھَا فِیْھِمْ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ وَبَیْنَ ذٰلِکَ فَیْجٌ اَعْوَجٌ لَیْسُوْا مِنِّیْ وَلَسْتُ مِنْھُمْ۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔۔۔ آیت جب نازل ہوئی تو اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو امتِ محمدیہ کے آنے والے اچھے برے ایام کے متعلق بتایا۔ آپ نے دو دَور یعنی دو زمانے نیک قرار دیئے ایک اول دَور جو آپؐ کا اور صحابہؓ کا دَور تھا۔ صحابہؓ کا زمانہ جس کا امتداد اس حد تک متصور ہے جس میں آخری صحابی فوت ہوئے۔ اور یہ زمانہ امام ابوحنیفہؒ تک ہے۔ درمیانی زمانہ ایک لشکر کج ہے۔ یہ زمانہ بلحاظ بدعات کثیر۔ ام الخبائث کہا گیا ہے۔ تبھی اس کا نام فیج اعوج رکھا ہے۔ پھر آخری نیک زمانہ مسیح موعودؑ کا زمانہ ہے جو آخرین کا زمانہ ہے۔ اللہ نے یہ بھی تسلی دی کہ اس تاریک زمانہ میں بھی مجدّد دبھیجتا رہے گا۔ جنکی اطاعت کرکے امتِ محمدیہ کو اندھیروں میں سیدھا راستہ دکھاتے رہیں گے۔ اپنی مرض الموت کے دوران آپؐ نے کمزوری کے باعث نماز نہ پڑھانے کا فیصلہ کیا۔

آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نماز پڑھانے کیلئے فرمایا۔ آپؐ کو امت کی بہت فکر تھی کہ کہیں نافرمانی کر کے مصیبت میں نہ پڑ جائیں۔ چنانچہ دو افراد کا سہارا لے کر کھڑکی تک تشریف لے گئے۔ ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھتے دیکھ کر آپؐ کو اطمینان ہوا۔ کہ مسلمانوں میں اطاعتِ امام کا مادہ ہے۔ ایک امام کے پیچھے متحد ہو کر اسلام کی اشاعت کر سکیں گے۔ اسکے بعد ہی آپؐ نے فرمایا اَللّٰھُمَّ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی بلند تر ساتھی کے پاس چلا جاتا ہوں ۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

آپؐ نے رفیق اعلیٰ کے پاس جانے میں بہت خوشی محسوس کی اور اطمینان ہوا لیکن امتِ محمدیہ کے بارے میں فکرمند ہو جاتے۔ اطاعت کسی قوم کی ترقی، ترقی کی رفتار اور ترقی کا معیار ہوتی ہے اطاعت کا فقدان تنزل کا پیامبر ہوتا ہے۔ اطاعت، اتحاد اور یکجہتی کا باعث ہوتی ہے۔ اطاعت اللہ اور اطاعت رسول کی قیمتی متاع سے آراستہ ہو کر تقویٰ کی راہوں پر قدم مارتے ہوئے مسلمان خدارسیدہ اور خدانما انسان بن جاتے ہیں۔ اور قربِ الٰہی کے مدارج طے کرتے ہوئے اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ گروہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ آپؐ نے اپنے اصحابؓ کو ایسے ہی چمکدار ستارے بنا دیا جو روشنی کے مینار تھے۔ روشنی آپؐ کے وصال کے بعد بھی ایشیا، افریقہ اور یورپ کے کلیساؤں میں اسلام کے نور کی روشنیاں پھیلانے لگے آپؐ نے آخری ایام میں فرمایا میں تمہیں ایک روشن چمکدار راستے پر چھوڑے جا رہا ہوں اسکی رات بھی اسکے دن کی طرح ہے سوائے بدبخت کے اس سے کوئی بھٹک نہیں سکتا۔ پھر عائشہؓ سے فرمایا: ''عائشہؓ اللہ اور مومن ابوبکرؓ کے سوا کسی کو خلیفہ بنانے پر راضی نہ ہوں گے'' (مسلم کتاب الفضائل صحابہ)

آپؐ نے فرمایا مَامِنْ نُبُوَّۃٍ اِلَّا تَبِعَتْھَا خِلَافَۃ (کنزل العمال 109/6)

آپؐ کے وصال پر ایک زلزلہ سا برپا ہوا۔ حضرت عمرؓ ننگی تلوار لے کر کھڑے ہو گئے لوگوں میں سخت غم اور دکھ کی وجہ سے گھبراہٹ تھی۔ گویا زبانِ حال سے ہر ایک یہ کہہ رہا ہو کہ:

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِی فَعَمِیَ عَلَیْکَ النَّاظِرُ
مَنْ شَاءَ بَعْدَکَ فَلْیَمُتْ فَعَلَیْکَ کُنْتُ اُحَاذِرُ

حضرت ابوبکرؓ آئے اور فرمایا خدا کی قسم اللہ آپؐ پر دو موتیں وارد نہ کرے گا (یعنی ایک آپؐ کا وصال اور دوسرے دینی کمزوری یعنی اسلام زندہ رہے گا خلافت کی شکل میں)

منافقوں کی افواہیں، مومنوں کا صدمہ، غیر یقینی کا عالم، ایسے مخدوش حالات میں حضرت ابوبکرؓ نے اس آیت کو پڑھ کر مومنوں کو سہارا دیا۔

مَامُحَمَّدٌ اِلَّا رسول قد خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُل۔۔۔ مومنوں کے دل سمعنا و اطعنا کے عادی تھے سنتے ہی دلوں میں ایک قومی یقین جاگ اُٹھا۔ سب کو یقین ہوا کہ آپؐ کا وصال ہو گیا ہے اصحاب نے اپنے مطیع ہونے کا ثبوت دیا۔

اس پُر جلال دَور کے بعد خلافتِ راشدہ کا سنہری زمانہ آیا جس میں چار عشرہ مبشرہ سے تعلق رکھنے والے اللہ، قرآن و سنت کے پوری اطاعت گزار خلفاء بنے۔ یہ 30 سالہ دَور خلافتِ راشدہ کہلاتا ہے۔ آپؐ نے اس دور کو ایک اچھا زمانہ قرار دیا۔ نہ صرف خلفاء بلکہ عوام بھی اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول پر قائم رہے اور اطاعتِ اولی الامر کے بھی اطاعت گزار رہے۔ حبل اللہ کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔ خلیفہ کا انتخاب ہمیشہ اللہ کی رضا اور لوگوں کی مرضی سے ہوتا۔ لَاخِلَافَۃَ اِلَّا بِالْمَشْوَرَۃِ کے مطابق اور اسلام کے اعلیٰ اصولوں کے مطابق ہی ہوتا تھا۔ شوریٰ کو بہت اہمیت دی اللہ کے فرمان وشاوِرْھُمْ فِی الامر کے مطابق عمل پیرا رہے۔ اطاعت کے ان اصولوں کو تھامے یہ ایسا زمانہ گزرا جس میں اسلام عرب کے ریگزاروں سے نکل کر ہند، افریقہ، یورپ تک جا پہنچا۔ اندرونی طور پر امن و آشتی کا بہت خیال رکھا جاتا۔ اور بیرونی طور پر اصبِرُوْا و صَابِرُوْا وَرَابِطُوْا پر پورا پورا عمل کیا جاتا۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا پورا خیال رکھا جاتا۔ جہاں ترقی فتوحات کا ذکر ملتا ہے وہاں بعض مسائل کا پیش آنا بھی ناممکن نہ تھا۔ کمزور ایمان والوں اور منافقوں کی وجہ سے جو اطاعت کی قیمتی متاع سے محروم تھے اپنی اندرونی رویشہ دوانیوں کی وجہ سے اسلام کو زک پہنچانے کی ہر وقت کوشش کرتے رہے۔ لیکن خلفائے راشدین اور اصحابؓ نے جانوں پر کھیل کر اسلام کی حفاظت کی حضرت ابوبکرؓ اطاعت و فرمانبرداری کے پیکر تھے آپؓ نے آنحضورﷺ کے وصال کے بعد ایک مضبوط چٹان بن کر فوری نامساعد حالات کا سامنا کیا۔ ارتداد کا مسئلہ حل کیا اس لشکر کو سب سے پہلے روانہ کیا جس کا حکم آنحضورﷺ فرما چکے تھے بعض اصحاب نے اس لشکر کو نہ بھیجنے کا مشورہ دیا لیکن آپؓ نے جواب دیا کہ آپؐ کے حکم کی اطاعت ضرور ہوگی لشکر کو سب سے پہلے ہی روانہ کیا جائے گا خواہ مدینہ میں عورتوں کی لاشوں کو گلیوں میں کتے گھسیٹتے پھریں۔ آپؓ کی زندگی نہایت سادہ تھی۔ بہت مضبوط ایمان والے اور ثابت قدم تھے۔ تبھی آنحضورﷺ نے فرمایا تھا:

تم پہلے شخص ہو جو میری امت سے جنت میں داخل ہو گے۔ تم حوضِ کوثر میں میرے رفیق ہو گے۔ اور غارِ ثور میں تم میرے رفیق تھے۔ قبولِ اسلام کے وقت آپؓ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ جو آپؐ کی تحریک پر ہر بار سب سے پہلے حاضر ہو کر لٹا دیئے۔ تا

اسلام کی ترقی ہو۔ وفات پر جو سامان نکلا وہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پہنچا دیا گیا آپؓ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ بنے گو بہت جو شیلے تھے لیکن خلافت کا بوجھ پڑا تو نہایت ذمہ دار۔ سادگی پسند اور اللہ رسول کی اطاعت میں سرشار ہو گئے۔ رفاہِ عامہ کیلئے بہت کوشاں رہتے بھیس بدل کر راتوں کو گلیوں میں گشت کرتے۔ سادگی میں ہمیشہ آپؐ کو مدِّنظر رکھا۔ سادہ لباس زیبِ تن ہوتا۔ آپؓ فرماتے اگر فرات کے کنارے ایک بکری بھی پیاسی مرگئی تو خدا میرا حساب لے گا۔ اسلامی فتوحات زیادہ تر آپؓ ہی کے دَور میں ہوئیں۔ اصحابؓ میں وہ روح زندہ تھی جو آپؐ کے قوت قدسی سے عطا ہوئی۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ اطاعت شعار ایسے کہ جب آپؓ کے قریب سے کوئی جنازہ گزرتا تو آپ اسی طرح کھڑے ہو جاتے جیسے آنحضورﷺ کھڑے ہو جاتے تھے۔ جو مال بھی آپ کو خدا کے فضل سے ملا وہ آنحضور کی تابعداری میں فی سبیل اللہ خرچ کر دیتے۔ آنحضورﷺ نے فرمایا کہ ''پیغمبر کے رفیق ہوتے ہیں اور جنت میں میرا رفیق عثمان ہے۔'' (مسند احمد بن حنبل جلد اول خلفائے راشدین)۔ آپؓ اپنی حرکات وسکنات، قول وفعل میں آنحضورؐ کی اتباع کو ہمیشہ مدِّنظر رکھتے۔ حضرت عثمانؓ وضو کرتے ہوئے مسکراتے تھے کیونکہ آپؓ نے ایسے ہی آنحضورﷺ کو وضو کرتے وقت مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ کی زندگی کا اکثر حصہ آنحضورﷺ کی معیت میں گزرا۔ اسلئے آپؐ سے بہت کچھ سیکھا۔ اطاعت وایثار کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ سادگی آپ کا نمایاں وصف تھا۔ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مسکینا و یتیما و اسیرًا کے مطابق آپؐ کی اطاعت کی زندہ مثال تھے۔ نبی اکرمﷺ کی طرح آپؓ بھی زمین پر آرام کرنے کیلئے لیٹ جاتے۔ (تاریخ طبری صفحہ 334)

اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے کرتے اپنی جان کی بھی بازی لگا دی آپ کے دور میں حالات خراب ہوئے لیکن حبل اللہ کو مضبوطی سے پکڑے رکھا اور فراست سے حالات سازگار بنالئے۔ آپ کے بعد مسلمانوں کے حالات درست نہ رہے۔ خلفاء کی شہادتیں۔ یزید کی نامزدگی، کربلا کا واقعہ۔ دارالخلافہ کا بدل جانا، وغیرہ۔ گو امیر معاویہ صحابیٔ رسولؐ تھے لیکن شاید یزید کی نامزدگی اسلام کے اصولوں کے خلاف تھی۔ پھر اللہ رسول کی اطاعت کیلئے قرآن ہدایت کا منبع ہے۔ انّ ھٰذا القراٰن یھدی لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ۔ اس کے احکام کو اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے نہ پکڑا اور مصائب کا شکار ہونا شروع ہوئے۔ نہ اسوہ رسول کو دیکھا نہ خلفائے راشدین کے اسوہ کو اور اسلام کے سنہرے اصولوں یعنی انتخاب، شوریٰ اور وَلَاتَفَرَّقُوْا کو یکسر فراموش کر دیا۔ نااہلوں سے مشاورت نے خلیفۂ وقت کو ہی راستہ سے ہٹا دیا۔ فرض تو خلیفہ کا ہے کہ حبل اللہ کا دامن مضبوطی سے پکڑے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کو خود بھی ادا کرے اور مسلمانوں کو بھی کاربند کرے۔

بنی اسرائیل کی مثالیں دے دے کر مسلمانوں کو اسی لئے متنبہ کیا کہ ایسا نہ کرنا ورنہ انجام اچھا نہ ہوگا۔ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِہٖ بنی اسرائیل اپنے اصول بھول گئے تو انکا جو انجام ہوا وہ تمہارا نہ ہو مگر یہ کہہ کر کہ یہ تو بنی اسرائیل کیلئے حکم تھا۔ لیکن تمام قرآن کریم میں دوسری قوموں کے ذکر صرف اسلئے کئے تا مسلمان سیدھے راستہ سے نہ بھٹکیں۔ کیونکہ اِنَّ الَّذین جھدُوا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا اور جہاد کیا ہے ''اطاعت''۔ خودساختہ انتخاب گویا اس آیت کے بالکل خلاف ہوا: اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰی اَھْلِھَا۔ خلافت ایک اہم امانت ہے اس کو صحیح حقدار کو سونپنا لازمی تھا۔ یہاں اطاعت کا فقدان ہوا اور تاریخ کا رُخ بدل گیا۔ اس حکم کی صریح خلاف ورزی ہوئی اور حالات دگرگوں ہوئے۔ سانحہ کربلا پیش آیا جس نے مسلمانوں کو ہلا دیا۔ ایسا واقعہ خلافت کی مثال نہیں ہوسکتا۔ جیسے ہی صدق وصفا کے راستے پر عمل ترک ہوا تو ملوکیت کا دور شروع ہو گیا یعنی نام کا خلیفہ اور رنگ ڈھنگ بادشاہوں کے۔ اگر اسلام کے سنہری اصولوں کو مضبوطی سے تھامے رکھا ہوتا تو شاید اسلامی تاریخ کی شکل کچھ اور ہی ہوتی۔ اسلام میں اطاعت کی اہمیت۔ اسلامی نظام جن سنہری اصولوں کی رہنمائی کرتا ہے وہ ہیں:

خلیفہ کا انتخاب

مشاورت

اولی الامر کی اطاعت

خلفائے راشدین کے بعد آنے والے ''خلفاء'' اور عوام دونوں نے ان اصولوں کو بالائے طاق رکھ دیا۔ اگر ان اصولوں کو حکم خداوندی سمجھ کر ان کی پوری پوری اطاعت کرتے تو ناانصافی، ظلم، تعدی اور تاریکی کا وہ دور نہ آتا جس پر چل کر امتِ مسلمہ اس راستے کی طرف بڑھتی گئی جو فیج اعوج کی طرف لے جاتا ہے۔ وہ امت شفا حفرۃ پر کھڑی ہوگئی۔ لیکن عالم الغیب یہ سب کچھ جانتا تھا اور آپؐ اور مومنوں کو یہ خبر دے دی تھی۔

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗٓ اَلْفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ اس آیت کے نزول کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ ''میری صدی بھی اچھی دوسری بھی اچھی تیسری بھی اچھی'' پھر اسلام تنزل کی طرف جائے گا ایک ہزار سال تک۔ یہ ہزار سال فیجِ اعوج کے ہیں پھر فرمایا کہ ایمان اگر ثریا پر بھی چلا گیا تو ابنائے فارس میں سے اُسے اتار لائے گا''۔ اس کے علاوہ مسلمانوں میں تفرقہ اندازی شروع ہوگئی حالانکہ قرآن میں صاف طور پر بنی اسرائیل کے تفرقہ کو سامنے رکھ کر تنبیہ

کردی کہ تفرقہ سے بچنا۔

وَلَاتَکُونُوا کَاالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا۔۔(ال عمران104) سمجھایا کہ تفرقہ سے تم کمزور ہو جاؤ گے لیکن آنے والے لوگوں نے اسکی بھی اطاعت نہ کی اور چُوک گئے۔ پھر اختلافات اگر پیدا ہو ہی گئے ہیں تو ان کو امن کا سیدھا راستہ بتادیا۔ رُدُّوْہُ اِلَـی اللہِ وَالـرَّسُوْلِ ۔مگر اسکو بھی نظر انداز کر دیا۔اور اختلافات کی دلدلوں میں پھنستے چلے گئے۔

بعد میں بنوامیہ کے دور کے خلفاء نے جو اطاعت کے تمام سلیقے بھلا بیٹھے تھے،شوریٰ کے اہم نکتہ کو بالائے طاق رکھ دیا۔ گوکہ وہ امیر المومنین اور خلفاء کہلائے مگر نہ تو شریعت کی اطاعت کر سکے اور نہ ہی امت محمد یہ کے مطاع بن سکے۔ اسلام تو عالمگیر مذہب ہے، قُلْ یٰٓاَیُّھَاالنَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔تمام کی تمام اقوام،تمام تہذیبیں تمام زبانیں اسلام کے اندر سما سکتی ہیں۔لیکن شرط صرف اطاعت ہے۔ اللہ رسول کی اطاعت۔قرآن کریم سنتِ رسول سامنے تھی لیکن اطاعت کا فقدان خلفاء کو بادشاہت کے راستہ پر لے گیا۔اگر خلفاء انتخاب کو ہمیشہ مدنظر رکھتے تو بادشاہ ہو یا خلیفہ اگر لوگوں کے ذریعے منتخب ہوتا تو آج مسلمان دنیا میں بہترین Democracy کے پہلے علمبردار ہوتے۔ آپؐ نے دونوں نظاموں دینی ، دنیوی کے بارے میں وضاحت کردی تھی: دنیاوی نظام، دینی یا اسلامی نظام۔

دینـی یا اسلامی نظام: یہ نظام اسلامی اصولوں سے نپٹنا ناممکن ہے۔ان اصولوں کی اطاعت لازمی ہے جو اسلام پیش کرتا ہے۔اگر غلطی ہو بھی جائے تو اللہ خود ہی بہتر نتائج پیدا کردے گا۔

دنیـاوی نظـام: اس میں اولی الامر کی اطاعت لازمی کر دی گئی۔ ہر زمانے میں ہر دَور میں۔مسلمانوں سے بڑی غلطی یہی ہوئی کہ سلاطین تمام اسلامی مملکت کو اپنی طرف سے ایک سیاسی نظام کے تحت رکھنا چاہتے تھے کہ دونوں نظام ساتھ ساتھ چلیں لیکن ایسا ناممکن ہوگیا۔ان کو سمجھایا گیا کہ جن حصوں میں اولی الامر کی اطاعت ممکن نہ ہو ان کو چھوڑ کر دوسرے حصوں کیلئے وہ نظام قائم رکھتے وہ اسکی اطاعت بھی چھوڑ بیٹھے۔ دنیوی اور دینی دونوں نظاموں کو اکٹھا نہیں کیا جاسکتا۔ مسلمانوں نے خلفائے راشدین کے بعد تمام عالم اسلام پر ایسا نظام قائم کرنا چاہا۔ جو دینی دنیوی دونوں پر مشتمل ہو۔ ایسا ناممکن تھا۔ جب ایک نظام قائم نہ ہوسکا تو دوسرے کو بھی ترک کر دیا یعنی دینی نظام کے اصولوں کی اطاعت کو بھی چھوڑ دیا۔ حالانکہ اطاعت کرتے تو دونوں کو چلانا ممکن ہوجاتا۔ اللہ اور رسول کی اطاعت کیلئے نہ کسی زمانہ کی قید ہے نہ وقت کی ہر زمانہ میں ہر صورت میں ضروری ہے۔ اگر اولی الامر سے اختلاف کی صورت ہو تو اسکے لئے بھی راہ دکھادی کہ اللہ رسول اور خلفائے راشدین کی سنت کو دیکھو تمہیں راستہ مل جائے گا۔

عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ بایَعْنَا رَسُوْلُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَۃِفِی العسر والیسر والمنشط والمنکرۃ و علیٰ اَثَرَۃٍ عَلَیْنَا وَعَـلٰـی اَنْ لَّـا تنازَعَ الْاَمْرَ اَھْلَہٗ وَعَلٰی اَنْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ فَاَیْنَمَا کُنَّا لَایَخَافُ فِـی اللہِ لَـوْمَـۃَ لَائِـمٍ وَفِـی رِوَایَـۃٍ اَنْ لَّـا تَنَازِعَ الامر اَھْلَہٗ اِلَّا اَنْ تَرَوْا کُفْرًا بوَّاحًا عِنْدَکُمْ مِّنَ اللہِ فِیْہِ بُرْھَانٌ مُتَفِقٌ عَلَیْہِ۔(مسلم کتاب الامارہ)

عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ آپؐ کی ان شرائط پر ہم نے بیعت کی جو ہمارے حاکم مقرر ہوں گے۔ان کے احکام کی ہم ہمیشہ اطاعت کریں گے خواہ ہماری آسانی ہو یا تنگی۔ چاہے ہمارا دل ان احکام کو ماننے کو چاہے یا نہ چاہے بلکہ خواہ ہمارے حق وہ اور کو دلا دیں پھر بھی ہم ان کی اطاعت کریں گے۔اور جب ہم کسی کو اہل سمجھ کر ان کو حکومت کا کام سپرد کردیں گے تو جھگڑا نہ کریں گے۔ نہ بحث۔ اگر وہ کوئی بات دین کے خلاف کہدیں تو ہم ان کو سچی بات سے آگاہ کریں گے۔اور خدا کے دین کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جب اہل لوگوں کے سپرد تم حکومت کا کام کر چکو تو اسکے بعد ان سے کسی قسم کا جھگڑا نہ کرو۔ اور اگر تم ان سے کھلا کھلا کفر صادر ہوتے ہوئے دیکھو۔قرآن کریم کی نص کے خلاف ہو تو تم اسکا انکار کردو اور تم وہی کرو جسکے کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے۔یعنی انکی اطاعت نہ کرو۔عوف بن مالکؓ اشجعی فرماتے ہیں۔آپؐ نے فرمایا تمہارے بہترین حکام وہ ہیں جن سے تم محبت کرو۔ وہ تم سے محبت کریں تم ان پر درود بھیجو اور ان کی ترقیات کیلئے دعائیں کرو۔ وہ تم پر ایسا ہی کریں۔ بدترین حکام وہ ہیں جن سے تم بُغض رکھو اور وہ تم سے بُغض رکھیں۔ آپ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا ہم ان کو حکومت سے الگ کردیں۔آپؐ نے فرمایا:

لَامَـااَقَـامُـوا الـصَّـلٰـوۃَ فِیْکُمْ لَامَااَقَامُوا الصَّلٰوۃَ فِیْکُمْ ہرگز نہیں۔جبتک وہ تم پر نماز روزے کی پابندی عائد نہ کریں۔ اللہ کی عبادت سے نہ روکیں تم ان کی اطاعت ضرور کرو۔ اگر کوئی حاکم معصیت کا کھلم کھلا مرتکب ہو اور کفر کے افعال ظاہر نہ ہوں تو ان کا اس میں ساتھ نہ دو۔ اگر کفر کے افعال سرزد ہوں اور وہ تمہیں نیکی سے نہ روکیں اور کفر پر مجبور نہ کریں تو اطاعت کرو اگر تم کو بھی ایسے کفر پر مجبور کریں تو اطاعت نہ کرو۔ اتنی واضح تعلیم ہے کہ مسلمان بھٹک نہیں سکتا۔لیکن ان خلفاء کے دور میں نہ صرف خود اطاعت سے دُور ہوئے بلکہ ان کی نافرمانیِ احکام خداوندی کے نتیجہ میں عوام الناس پر برا اثر پڑا اور وہ بھی اطاعت سے دامن کھینچ کر تفرقہ اندازی میں پڑ گئے۔ ان کو انتخاب کا اصول نہ بھولنا چاہیئے تھا۔لیکن جب اتنی فتوحات سے وسعتِ سلطنت ہوگئی۔ مال و دولت، طاقت سب کچھ حاصل ہوگیا تو شاید دینی اصولوں سے دور جا پڑے۔ ایسا ہی خلفائے راشدین کے

بعد آنے والوں کے ساتھ ہوا لیکن تاریخ اسلام پڑھنے والے کو احساس ہوجاتا ہے کہ کہاں چُوک ہوئی اور حالات بدل گئے اگر ایسے نہ ہوتا تو حالات کچھ اور ہوتے۔ مسلمان بھول گئے کہ خلیفہ ہو یا بادشاہ یا حکمران انتخاب کے ذریعے اسکو چُننا چاہیئے۔ دعا تو پہلی شرط ہے اللہ تعالیٰ پھر برکت دیتا ہے اور ساتھ تائید بھی۔

بنو امیہ کا دَور تقریباً 661-750 تک رہا۔ اس دَور میں عمر بن عبدالعزیز کا دورِ خلافت ایک سنہری دَور ہے۔ یہ قریباً خلافتِ راشدہ کے کچھ سال بعد آئے۔ اسلام کے اصولوں کی اطاعت، انصاف پسندی، قرآن وسنّت کے احکام پر خود بھی عمل کرنا دوسروں سے بھی کرانا۔ آپکی خلافت کا طُرّہ امتیاز ہے۔ اسی وجہ سے تاریخ دان آپ کو پانچواں خلیفہء راشد مانتے ہیں۔ امیہ خاندان کے باقی خلفاء بادشاہوں سے کم نہ تھے یزید ولید عبدالملک، عمر بن عبدالعزیز کو چھوڑ کر باقی ظلم وفساد میں بھی ملوث ہوئے۔ دمشق ان کا دارالحکومت تھا۔ بعض خلفاء کے زیرِ نگرانی سلطنت میں وسعت آئی۔ اندرونی طور پر خوشحالی بڑھی۔ رفاہِ عامہ کے کام ہوئے حضرت عمر بن عبدالعزیز نیک، وفادار اور انصاف پسند انسان تھے۔ جنہوں نے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کا پورا پورا خیال رکھا گویا ؎

حرفِ وفا نہ چھوڑوں اس عہد کو نہ توڑوں
اس دلبرِ ازل نے مجھ کو کہا یہی ہے

آپ خلفائے راشدین کے نقشِ قدم پر چلے۔ ان کے بعد بنو عباس کا دور آیا۔ جو 750 سے 1260 تک رہا۔ ان میں بھی بعض نیک دل انصاف پسند قرآن وسنت پر پوری طرح عمل کرنے والے تھے مگر بیشتر خلفاء سلاطین کہلاتے بعض امیر المومنین کہلاتے لیکن رنگ ڈھنگ بادشاہوں کے تھے۔ بعض خلفاء نے حبل اللہ کو مضبوطی سے نہ تھاما۔ اور اطیعوا اللہ والرسول کی اطاعت سے سرتابی کی ظلم سے کام کیا۔ بعض اوقات ظلم کی آگ پھیلی تو بادشاہوں اوران کے محلات کو بھی لپیٹ میں لے لیا۔

بنو عباس کا دورِ حکومت 750 سے 1260 تک رہا۔ ان کا دارالحکومت بغداد رہا کچھ نیک پرہیز گار خلفاء کچھ ظلم و تعدی سے کام لینے والے عیش وعشرت کے بھی دلدادہ۔ دولت طاقت امن و امان میں یہی غفلت ہوئی کہ اصلی اصولِ اسلام بھلا کر دنیاوی حکومت کے دلدادہ ہوگئے اور یہ شعر یاد آتا ہے ؎

جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی
جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

ان کے دور میں بنو امیہ کے خلفاء نے سپین میں حکومت قائم کر لی اور 750 سے 1031 تک رہے۔ بعض خلفاء انصاف پسند اللہ اور رسول کے احکام پر کاربند رہے ان میں بعض کے دور میں شاندار architecture نے ترقی کی۔ ان میں بعض عمارات اب بھی زبانِ حال سے مسلمان کو پکار رہی ہیں ؎

تجھ میں کچھ پیدا نہیں دیرینہ روزی کے نشاں

قرطبہ، غرناطہ میں قابلِ ذکر عمارات ہیں۔ جن میں بادشاہوں نے لَاغَالِبَ اِلاَّ اللہ کو خاص طور پر لکھوایا۔ سلطنت عثمانیہ 1517-1924 تک رہی امیر المومنین کہلانے والے خلفاء کچھ اللہ رسول کی اطاعت کرنے والے اور کچھ دنیا کے دلدادہ کچھ انصاف پسند اور کچھ عیش طلب، کچھ لالچ میں ڈوبے اور کچھ خوفِ خدا میں۔ ان میں نیکدل، انصاف پسند رفاہِ عامہ کے کاموں میں دلچسپی رکھنے والے، عمارات کی تعمیرات میں ترقی کرنے والوں میں شامل ہے۔ لیکن قتل وغارت کا سلسلہ ان میں بھی رہا۔ کچھ ظالموں نے خلفاء تک کو نہیں بخشا۔ پھانسی، قتل، زندان میں ڈالنا وغیرہ ان کے بُرے کردار کو دکھاتے ہیں۔ تاریخ پر طائرانہ نظر ڈالکر حذیفہ کی حدیث کو دیکھیں تو آپؐ کی سچائی روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے۔ جنگِ عظیم کے بعد ترکی کی خلافت کا خاتمہ ہوگیا اتاترک نے Democracy قائم کرکے پارلیمنٹ سے خلافت کا خاتمہ کردیا اور مسلمانوں کی رہی سہی امیدیں ختم ہوگئیں۔ ترکوں نے خلافت ختم کرکے مسلمانوں کو خلافت سے مایوس کردیا ع

چاک کردی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا

مسلمان بچہ جب اسلامی تاریخ میں اپنے پیارے مذہب کے خلیفوں اور حکمرانوں کے ان حالات کو دیکھتا ہے تو دکھی بھی ہوتا ہے اور شرمندہ بھی باقی قوموں میں ان کے مذہبوں کی تاریخ پڑھ کر دیکھ لو۔ ان میں اس سے زیادہ ظلم و بربریت اور بے خوفی نظر آتی ہے کیونکہ اس میں ایک خدا کا وجود ہے نہیں۔ جو ہمارے ہاں اسلام میں ہے اور رہا ہے۔ بس فرق وہاں پڑا جہاں اطاعتِ خداوندی، اطاعتِ رسول اور اطاعتِ اولی الامر کا دامن چھوڑ بیٹھے۔ اگر اتنی فتوحات، وسعتِ سلطنت دولت طاقت کے ہوتے ہوئے اطاعت کا دامن نہ چھوڑتے تو تاریخ کا رُخ زیادہ تابناک ہوتا۔ اس طرح آہستہ آہستہ امّتِ مسلمہ ضلالت کی تاریکی میں ڈوبتی گئی اور ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کا سماں پیدا ہوتا گیا۔ مسلمان علمی، سماجی اور روحانی تنزل کیطرف بڑھے جس کا دوسرا نام فیجِ اعوج رکھا۔ اسی دوران یورپ کی سامراجی طاقت اُبھری۔ ترقی کرتے کرتے ساری دنیا پر چھا گئے ساری زمین کو اپنی Colony یعنی جاگیر بنا ڈالا اور ایسے چھائے جیسے بادل چھا جاتے ہیں۔

(جاری ہے)

خلافت کی اہمیت، مقام، ضرورت

رانا عبدالرزاق خان، لندن

کائنات کے چھوٹے سے ذرہ ایٹم کو لیجئے یا بڑے سے بڑے کسی اور جسم کو، جس کا بھی سینہ چاک کریں وہاں ایک دھڑکتا ہوا دل، آپ ایک مرکز پائیں گے۔ جو اس ذرہ یا اس جسم کی ہر حرکت کا محور ہوگا۔ اسی طرح عالم صغیر ہو یا عالم کبیر، ہر ایک عالم میں قدرت کا یہی قانون کارفرما نظر آتا ہے۔ عالم صغیر یعنی انسان کے تمام اعضاء، اعصاب اور رگ وریشے اس کے دل کے ایک ایک اشارہ پر حرکت کرتے ہیں۔ تو عالم کبیر میں موجود تمام سیارے اور ستارے بھی اپنا ایک مرکز رکھتے ہیں۔ یہ کچھ سیارے ملکر ایک نظام بناتے ہیں۔ جن کا مرکز ایک سورج ہوتا ہے۔ اور اس قسم کے چند نظام ملکر ایک گلیکسی بناتے ہیں۔ اور کائنات میں موجود اس قسم کی بے شمار گلیکسیز ہیں۔ جو ایک بڑا امر کز رکھتی ہیں۔ اور اپنے اپنے محور پر حرکت کر رہی ہے۔

کائنات کے چھوٹے سے چھوٹے ذرہ سے لے کر بڑی سے بڑی گلیکسی تک میں یہ جو وحدت ہے یہ جہاں ہمیں توحید کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ وہاں اس میں بنی نوع انسان کی معاشرتی زندگی کے لئے ایک شاندار سبق پنہاں ہے کہ دنیا کا کوئی بھی نظام، کوئی بھی کاروبار مرکزیت کے بغیر نامکمل ہے۔ معاشرہ میں مل جل کر رہنے کے لئے ایک نظام کی ضرورت ہے۔ جس میں ایک ایسا مرکز ہونا چاہیئے جسے ہر فرد اپنے اوپر مسلط کرے۔ اس پر نوع انسانی کے نظام کی کامیابی کا مدار ہوگا۔ اس پر اس کی ترقی کا انحصار ہوگا۔

جہاں تک انسانی معاشرہ میں نظام کا تعلق ہے، یہ دنیا کے ہر خطہ، ہر ملک اور ہر قبیلہ میں موجود ہے۔ اور اس کا ہر جگہ ہونا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ یہ واقعی فطرت کی آواز ہے۔ لیکن ان نظاموں میں آئے دن پیدا ہونے والی گڑبڑ اور تبدیلیاں، برپا ہونے والے انقلابات، رونما ہونے والے فسادات کی وجہ سے اس بات پر یقین آجاتا ہے کہ یہ حقیقی نظام نہیں ہیں۔ ان میں مرکزیت کی وہ فطری روح نہیں جو خدا تعالیٰ کے منشاء کے مطابق ہے۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ بنی نوع انسان پر سکون زندگی بسر کریں، پورے اطمینان کے ساتھ اس دنیا میں رہیں۔ اس نقطہ نظر کو سامنے رکھ کر جب ہم ساری دنیا میں مختلف نظاموں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس سوال کا جواب صرف قرآن کریم میں ملتا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(سورۃ النور آیت 56 ترجمہ)۔ اللہ نے مومنوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ بنادے گا۔ جس طرح اس سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنادیا تھا اور جو دین اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے وہ ان کے لئے اسے مضبوطی سے قائم کردے گا اور ان کی خوف کی حالت کے بعد وہ ان کے لئے امن کی حالت تبدیل کردے گا وہ میری عبادت کریں گے کسی چیز کو میرا شریک نہیں بنائیں گے۔ اور جو لوگ اس کے بعد بھی انکار کریں گے وہ نافرمانوں میں سے قرار دیئے جائیں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جس نظام کا ذکر فرمایا ہے وہ آسمانی نظام ہے۔ جس کا سربراہ خود اللہ تعالیٰ مقرر فرماتا ہے۔ اور جس کا آئین ایک ابدی اور کامل کتاب قرآن کی شکل میں نازل فرمادیا ہے۔ جو فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔ یہ نظام نظام خلافت کہلاتا ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے مامور اور اس کے مرسل نبی کی وفات کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف سے قائم کیا جاتا ہے۔ اور اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک لوگ اس نظام کی شرائط کو پورا کرتے رہیں۔

خلافت کیا ہے

لغت کی رو سے خلافت کے معنی نیابت اور جانشینی کے ہوتے ہیں۔ اور اصلاحاً اس سے مراد نبی کا جانشین ہوتا ہے۔ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ خلیفہ وہ ہوتا ہے جو کسی جانے والے کی جگہ پر کھڑا ہو اور اس کے جانے کی وجہ سے پیدا ہونے والے خلا کو پر کر دے۔ علامہ بیضاوی نے لفظ خلیفہ کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ یعنی خلیفہ کسی دوسرے شخص کے بعد ہوتا ہے اور اس کی قائم مقامی کرتا ہے اور اس میں جو 'ھا' ہے وہ مبالغہ کے لئے ہے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ فرماتے ہیں:

’’خلیفہ کے معنی جانشین کے ہیں۔ جو تجدید دین کرے۔ نبیوں کے زمانے کے بعد جو تاریکی پھیل جاتی ہے اس کو دُور کرنے کے واسطے جو ان کی جگہ آتے ہیں انہیں خلیفہ کہتے ہیں۔‘‘

(ملفوظات جلد4صفحہ383)

پس خلافت نبوت کی جانشینی ہے۔ اور خلیفہ نبی کے شروع کئے ہوئے عظیم الشان مشن کو خدا تعالیٰ سے راہنمائی حاصل کرکے، نبی کی نشان کردہ راہوں پر چلتے ہوئے آگے سے آگے بڑھاتا ہے اور نہ صرف اس کے تشنہ تکمیل منصوبوں اور سکیموں کو تکمیل تک پہنچاتا ہے بلکہ اس کی بعثت کی غرض کو پورا کرنے کی خاطر وہ نئے نئے پروگراموں اور منصوبوں کی بنا بھی ڈالتا ہے۔

اور اسطرح سے تجدید کرتا ہے۔ اور وہ اپنے فرائض کو بڑی شدت اور جوش وخروش اور تیزی کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ کیونکہ لفظ خلیفہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یہ ہے خلافت حقہ کا تصور جو خدا تعالیٰ کی طرف سے قائم ہوتا ہے۔ جو دُنیا کے ہر نظام سے ہر پہلو میں کہیں بہتر اور مؤثر ہے۔

عالم اسلام کا اتحاد اور خلافت

خلافت کی اہمیت پر کئی پہلوؤں سے روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔ ایک بنیادی نکتہ خلافت یا مرکزیت اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اس مذکورہ بالا امر کی تصدیق اس حقیقت سے بخوبی ہوجاتی ہے کہ آج خلافت کے جھنڈے تلے نہ ہونے کی وجہ سے پوری دنیا بے چینی اور انتشار کا شکار ہے۔ باقی دنیا تو ایک طرف عالمِ اسلام بھی، (جس کے پاس قرآن کریم جیسا پاکیزہ اور مکمل عظیم الشان ضابطہ حیات موجود ہے۔) اسی کیفیت سے دوچار ہے۔ اس صورت حال کی حقیقی وجہ یہی ہے۔ کہ ان لوگوں کے پاس کوئی ایسا نظام موجود نہیں جو مرکزی حیثیت رکھتا ہو اور اس کی ہر بات پر عمل کرنا ہر مکتب فکر لوگوں پر لازمی امر ہو۔ اگر آج بھی عالم اسلام اس نظام پر متفق ہو جائے تو مسلم دنیا آج بھی دنیا کی بڑی طاقت بن سکتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ عالم اسلام کی ترقی، اس کا اتحاد، اس نظام خلافت کے بغیر ناممکن ہے۔ مشہور عالم الطنطاوی الجوہری نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے آپ اس آیت استخلاف کو درج کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

ترجمہ۔ یعنی اس آیت کا ہم نے اس کتاب میں دوبارہ ذکر کیا ہے اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد کا طریق بیان کرنے کے بعد ہم نے پھر اس آیت کو دہرایا ہے کیونکہ اس طریق کا علم ہمیں کتاب عزیز سے ہوتا ہے اور اسکے بغیر مسلمانوں کی کامیابی کا کوئی طریق نہیں، نہ ہی انہیں زمین میں خوشحالی اور طاقت حاصل ہوسکتی ہے۔ اور نہ ہی حکومت میسر آسکتی ہے اور نہ ہی اس کا خوف امن میں تبدیل ہوسکتا ہے۔ مگر صرف اور صرف اس (خلافت) کے ذریعہ۔ گویا آج جس شخص نے بھی حقیقی کامیابی سے ہمکنار ہونا ہے، اور جسے بھی حقیقی سکون اور راحت سے زندگی بسر کرنے کی تلاش ہے، اور جسے بھی اپنی روحانی اور مادی ترقی کی فکر ہے۔ اسے خلافت کا جھنڈا تلاش کرکے اس کے نیچے جمع ہونا ہوگا۔ اس کے مرکز سے زندہ تعلق قائم کرکے، اس کی طرف سے جاری ہونے والی ہدایات کی روشنی میں اپنا لائحہ عمل اور ضابطہ حیات مرتب کرنا ہوگا اور جو شخص اس کے مطابق عمل کرے گا اس کی کامیابی یقینی ہے۔ (القرآن والعلوم العصریہ)

خلافت نبوت کا تتمہ ہے

خلافت کی اہمیت ایک ناگزیر ضرورت بن کر اس وقت سامنے آتی ہے جب ہم نبی اور اس کے مشن کو دیکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی اصلاح کے لئے نبی بھیجتا ہے۔ مگر ان کے ذمہ صرف تخم ریزی کا ہی کام ہوتا ہے۔ ان کے ہاتھوں تو ان کے مشن کی صرف ابتدا ہی ہوتی ہے اس کی بنیاد پڑتی ہے۔ اور ان کے جانے کے بعد خلافت نبوت کا تتمہ اور حصہ بن کر وجود میں آتی ہے۔ یہ خدا کی قدیم سنت ہے جیسے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ: ما کانت النبوہ قط الا تبعتھا خلافۃ (کنز العمال جلد 6 صفحہ 119) کہ ہر نبوت کے بعد خلافت لازمی طور پر قائم ہوتی رہی ہے۔ اگر بالفرض نبوت کے بعد خلافت کا سلسلہ نہ ہو تو اس سے خدا تعالیٰ پر حرف آتا ہے کہ اس نے دنیا میں ایک منصوبہ جاری فرمایا مگر ابھی وہ تشنہ تکمیل ہی تھا کہ اس نے اپنے ہاتھوں سے ہی ملیا میٹ کردیا۔ گویا کہ وہ ایک بلبلہ تھا جو سمندر کی سطح پر جاری ہوا اور پھر چند ثانیے بعد وہ ہمیشہ کے لئے پانی کی مہیب لہروں میں غائب ہوگیا۔ پس خدا تعالیٰ کی شان اسی میں ہے۔ کہ نبی کی وفات کے بعد اس کی جانشینی کا سلسلہ بھی قائم ہو، جو اس کے جاری کردہ مشن کو کامیاب کرنے میں کوشاں ہو جائے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ اس نقطہ نظر سے نظام خلافت کے قیام کی ضرورت واہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خدا تعالیٰ کا کلام مجھے فرماتا ہے۔ وہ اس سلسلہ کو پوری ترقی دیگا کچھ میرے ہاتھ سے کچھ میرے بعد۔ یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے اور جب سے کہ اس نے انسان کو زمین میں پیدا کیا ہمیشہ اس سنت کو وہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کی مدد کرتا ہے اور انکو

غلبہ دیتا ہے۔۔۔اور جس راستبازی کو وہ دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں۔اس کی تخم ریزی ان کے ہاتھ سے کر دیتا ہے۔لیکن اس کی پوری تکمیل ان کے ہاتھ سے نہیں کرتا۔بلکہ ایسے وقت میں ان کو وفات دے کر جو بظاہر ایک ناکامی کا خوف اپنے ساتھ رکھتا ہے۔۔۔ایک دوسرا ہاتھ اپنی قدرت کا دکھاتا ہے اور ایسے ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جن کے ذریعہ سے وہ مقاصد جو کسی قدر نا کام رہ گئے تھے اپنے کمال کو پہنچتے ہیں (الوصیت) پس خلافت کے قیام کی ضرورت اور اس کی اہمیت جہاں مادی قانون قدرت سے ثابت ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے روحانی نظام کا بھی یہی تقاضہ ہے اور اس کی سنت بھی یہی ثابت کرتی ہے۔کہ نبوت کے بعد خلافت کا نظام بہر حال قائم ہونا چاہیئے۔کہ ساری دنیا کے مسائل کا حل اسی نظام میں ہے۔

خلافت کا مقام

خلافت کی اہمیت کا ایک پہلو خلیفہ کے مقام سے تعلق رکھتا ہے۔خلافت ایک نعمت ربانی ہے۔اس کو خلافت رحمت بھی کہتے ہیں۔اس منصب پر فائز ہونے والا مبارک وجود۔

حضرت سید محمد اسمٰعیل صاحب شہید کے الفاظ میں سایہ رب العالمین ہمسایہ انبیاء و مرسلین، سرمایہ ترقی دین اور ہم پایہ ملائکہ مقربین ہوتا ہے۔وہ دائرہ امکان کا مرکز، تمام وجوہ سے باعث فخر اور ارباب عرفان کا افسر ہوتا ہے اس کا دل تجلی رحمان کا عرش اور اس کا سینہ رحمت وافرہ اور خدا تعالیٰ کے جلال اور اقبال کا پرتوہ ہوتا ہے اس سے اعراض و معارضہ تقدیر اور اس سے مخالفت، مخالفت رب قدیر ہے۔حضرت سید صاحب موصوف خلیفہ راشد کا اعلیٰ وارفع اور پاکیزہ مقام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔جو صاحب کمال اس کے ساتھ اپنے کمال کا موازنہ کرے۔وہ مشارکت حق تعالیٰ پہ مبنی ہے۔اہل کمال کی یہی علامت ہے۔کہ اس کی خدمت میں مشغول اور اس کی اطاعت میں مبذول رہیں۔اس کی ہمسری کے دعویٰ سے دستبردار رہیں۔اور اسے رسول کی جگہ شمار کریں۔(منصب امامت صفحہ 86،87) آپ ایک اور دوسری جگہ فرماتے ہیں۔امام، رسول کے سعادت مند فرزند کی مانند ہے۔تمام اکابر امت و بزرگان ملت ملازموں اور خدمتگاروں اور جاں نثار غلاموں کی مانند ہیں۔پس جس طرح تمام اکابر سلطنت و ارکان مملکت کے لئے شہزادہ والا کی قدر کی تعظیم ضروری ہے۔اور اس سے توسل واجب ہے۔اور اس سے مقابلہ نمک حرامی کی علامت اور اس پر مفاخرت کا اظہار، بدانجامی پر دلالت کرتا ہے، ایسا ہی ہر صاحب کمال کے حضور میں تواضع اور تذلل سعادت دارین کا باعث ہے، اور اس کے حضور اپنے علم اور کمال کو کچھ سمجھ بیٹھنا دونوں جہان کی شقاوت ہے۔اس کے ساتھ یگانگت رکھنا رسول سے یگانگت ہے، اور اس سے بیگانگی ہو تو خود رسول سے بیگانگی ہے۔(منصب امامت صفحہ 79)

خلیفہ وقت نبی کے بعد ایک اعلیٰ اور منفرد مقام پر فائز ہوتا ہے، اس کو خدا تعالیٰ قائم کرتا ہے اور وہی قائم رکھتا ہے، اور اسی کی ہر طرح سے تائید و نصرت کرتا ہے، اسے علم لدنی عطا فرماتا ہے، اسے خود حکمت سکھاتا ہے، قرآن کریم کے معانی، مطالب، اسرار و رموز، حقائق و دقائق سے مالا مال کرتا ہے۔جس کی بدولت وہ قرآن کریم کی تفسیر سب سے بہتر سمجھتا اور بیان کرتا ہے۔خدا خود اس کی ہر مشکل مرحلہ پر رہنمائی کرتا ہے۔ہر ابتلا میں اسے پورا اترنے کی توفیق بخشتا ہے۔اس لئے لازم ہے کہ ہر قسم کے احکام کے اجراء اور مہمات کا انجام اس کے سپرد کیا جائے۔اور ہر شخص خواہ وہ مجتہد ہو یا مقلد عالم ہو یا عامی، عارف یا غیر عارف اپنے آپ کو اس کے سامنے لاشیء محض سمجھے۔اس کے حضور اپنی زبان بند رکھے۔کسی بھی طرح اس کے سامنے استقلال کا دم نہ مارے۔اس کے اختیارات خود مقرر کرنے کی کوشش نہ کرے۔بلکہ اس کے مقام کا تقاضا ہے۔کہ یہ کام اسی پر چھوڑا جائے۔

جیسے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاول فرماتے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ خلیفہ کا مصرف نماز پڑھا دینا اور پھر بیعت لے لینا ہے۔یہ کام تو صرف ایک ملا بھی کر سکتا ہے۔اس کے لئے کسی خلیفہ کی ضرورت نہیں۔اور میں اس قسم کی بیعت پر تھوکتا بھی نہیں۔بیعت وہ ہے جس میں کامل اطاعت کی جائے۔اور خلیفہ کے کسی ایک حکم سے بھی انحراف نہ کیا جائے۔کامل اطاعت انسان کو صحابہ کے مقام تک پہنچا دیتی ہے۔آج اس کے نہ ہونے سے مسلمان تنزلی کا شکار ہیں، گو آج کے مسلمان نمازیں بھی پڑھتے ہیں، زکوٰۃ بھی دیتے ہیں اور حج بھی کرتے ہیں مگر ان میں وہ ترقی نہیں جو صحابہ میں تھی۔حالانکہ صحابہ بھی یہی نمازیں پڑھتے، زکوٰۃ دیتے اور حج کرتے تھے۔اس کی وجہ ہی یہ ہے کہ صحابہ میں ایک نظام کے تابع ہونے کی وجہ سے اطاعت کی روح حد کمال تک پہنچی ہوئی تھی۔چنانچہ رسول کریم ﷺ انہیں جب بھی کوئی حکم دیتے تو صحابہ اسی وقت اس پر عمل کے لئے کمربستہ ہو جاتے اور اطاعت کی یہ روح آج کے مسلمانوں میں نہیں ہے۔آخر وہ کیا وجہ ہے کہ آج کا مسلمان اپنے اس بنیادی وصف سے عاری

ہے۔اس کا جواب سیدنا مصلح موعودؓ کے الفاظ میں یہ ہے کہ اطاعت کا مادہ نظام کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا پس جب خلافت ہوگی اطاعت رسول بھی ہوگی (تفسیر کبیر سورۃ نور)

اس نقطہ نظر سے خلافت کی اہمیت روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے۔کہ ترقی ایمان اور قبولیت اعمال کی اب نظام خلافت کے سوا کوئی صورت نہیں ہے۔جسے متاع ایمان اور عاقبت کی فکر ہو اسے لازم ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی قائم کردہ خلافت کے نظام کے ساتھ ہوجائے۔جو آج جماعت احمدیہ کے سوا ساری دنیا میں اور کسی کے پاس نہیں۔جس نے خلافت راشدہ کی یاد تازہ کردی اور پیاسی روحوں کی تشنگی کا سامان کیا۔اور ساری دنیا میں روحانی مائدہ تقسیم کیا جا رہا ہے۔اور مومنین کی تربیت و اصلاح کرنے میں وہ کمال حاصل کیا کہ انہوں نے حسن کردار سے قرون اولیٰ کے صالحین کی یاد تازہ کردی۔کہ عشق ابراہیمی،اور کردار یوسفی کے نظارے اس جماعت کے اکثر حضرات میں ملتے ہیں۔ہر وقت فدائیت کے عالم میں لاکھوں پروانے اس شمع کے گرد گھوم رہے ہیں۔

خلافت کے پروانے اطاعت کے معراج کو پانے کے لئے اپنے جان و مال لئے بسر وچشم کھڑے نظر آتے ہیں۔اور سو سالہ خلافت کی تاریخ گواہ ہے کہ ہر طبقے،ہر قوم،ہر فرقے اور ہر ملک سے پروانوں نے اپنی زندگیاں دین کے لئے وقف کیں، اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے اور اپنے خون سے اس خدائی شجر کی آبیاری کی۔اور اس کی اطاعت میں ہر قسم کی مالی و جانی قربانی دے کر ایک تاریخ رقم کی۔

خلفائے احمدیت نے سنت محمدی کی پیروی میں ان اقوام کی تربیت کی۔اور اسے راہ مستقیم دکھائی۔خلافت احمدیت نے احکام شریعت سمجھائے،قرآن و حدیث کی روشنی میں خود ساختہ اور نامعقول بدعات و رسوم کے طوق کو اسلام کے گلے سے اتارا۔اور زندہ وکلیم خدا کا تصور پیش کیا،قرآن کو قابل عمل،غیر منسوخ کلام اللہ ثابت کیا،وحی والہام، امکان نبوت کی توجیح کو کلام اللہ سے اور انبیاء و اولیا کرام کے فرمودات سے ثابت کیا، یہ قافلہ خلافت تائید ایزدی سے اپنی منزل کی طرف بڑے استقلال سے خدائے واحد کی متعین کردہ منزل کی طرف اپنے سالار کے ساتھ رواں دواں ہے۔اگر آپ ہو بہو بلالی اور حسینی کردار دیکھنے کے متمنی ہیں تو آپ اس خلافت کے کارواں میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

جو کاروان خلافت ابتدا میں پیغامیوں کی ریشہ دوانیوں سے سنبھلتا ہوا،پھر پاک و ہند کے بڑے بڑے جگادری علماء اور فلاسفروں کی خود ساختہ توجیحات کو باطل کرتا ہوا،احراریوں کی گیدڑ بھبکیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے،فرعونوں اور ہامانوں کے جبر و تشدد سے بندھے ہوئے بند توڑتے ہوئے،شہادتوں کے نذرانے پیش کر کے،خونچکاں داستانیں رقم کر کے،داغ ہجرت کے ناقابل فراموش دکھ جھیلتے ہوئے،اسیری در راہ مولا کے امتحانوں کو صد فی صد نمبروں سے پاس کرتے ہوئے،اپنے آشیانے جلوانے اور لٹانے کے بعد،اپنے کاروبار اور نوکریاں تج کے،ظالموں سے انتقام اور اپنے انجام سے بے خبر اس شان سے منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہے کہ قرون اولیٰ اور خلافتِ راشدہ کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔

یہ کاروان خلافت افریقہ کے تپتے ہوئے بےآب و گیاہ ریگستانوں میں صلیبی نظریات کا بطلان کرتے ہوئے خدائے واحد کا نام بلند کرنے میں مصروف عمل ہے۔اور ان محروم ومحکوم اقوام کی روحانی اور مادی تشنگی مٹانے کے لئے برسر پیکار ہے۔کہ تیل کی دولت سے مالا مال اور جدید ٹیکنالوجی سے لیس بڑی بڑی حکومتیں انگشت بدنداں ہیں کہ آج اس طاغوتی دور میں بظاہر ایک چھوٹی سی جماعت کس طرح خاموشی اور مثبت طریقے سے مغربی ممالک میں نیز سب براعظموں کے دوصد ممالک میں ہزاروں کی تعداد میں اسلامی تبلیغ سنٹر،مساجد،سکول،ہسپتال بنانے اور قرآن کریم کے ایک صد سے زائد بڑی زبانوں میں تراجم کرنے میں کوشاں،عرصہ بیس سال سے انٹرنیشنل مسلم ٹی وی کھولنے میں کامیاب،(جس میں اسلامی تعلیم مقدم ہے) ایک مقدس وجود خلیفہء وقت کی راہنمائی میں اسلام کی سربلندی اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے اعلیٰ مقاصد کو پانے کے لئے بڑی چابکدستی سے رواں دواں ہے۔

جس کارواں کے راستے میں بڑے بڑے پہاڑ آئے۔جس نے تلاطم خیز طوفانوں کا مقابلہ کیا۔مگر یہ قافلہ خدائی تائید سے روز بروز اپنی منزل کے قریب سے قریب ہوتا جا رہا ہے۔صلیبی مراکز کے گڑھ میں دعوت اسلام و احمدیت ترقی پر ہے۔اگر کوئی مومن مسلم امت کی موجودہ بدحالی و کسمپرسی،بےبسی،تذلیل،طوق غلامی، پر غور کرے اور احکامات قرآن و حدیث پر توجہ دے، اٰخرین منھم پر توجہ دے۔تو معمولی سی عقل و دانش رکھنے والا انسان بھی اس صورت حال کو سمجھ سکتا ہے۔کہ تائید خداوندی کس کے ساتھ ہے۔آپ سب کو اس محمدیؐ قافلے میں شمولیت کی دعوت عام ہے

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

☆......☆......☆......☆

سبین کی قبولِ احمدیت کی کہانی

انٹرویو

نسیم رفیق۔صدر لجنہ اسلام آباد،شگفتہ عزیز شاہ۔جنرل سیکریٹری اسلام آباد

حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک باطنی کمند کے ساتھ مجھے اپنی طرف کھینچ لیا اور ایک باطنی کمند کے ساتھ سعید روحوں کو میری طرف لایا۔اور یہ حقیقت ہے کہ سعید روحیں جوق در جوق کشاں کشاں آپؑ کی طرف کھنچی چلی آ رہی ہیں۔مبارک وہ متلاشیِ ہدایت جو اس دروازہ کی راہ سے حصارِ عافیت میں داخل ہوئے،مبارک وہ حق شناس جنہیں صداقت کو شناخت کرنے میں کوئی تامل نہ ہوا۔مبارک وہ جو عشق و فدائیت میں ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں،جن کے سینے ایمان و ایقان کے نور سے منور اور دل اخلاص و محبت سے پُر ہیں۔وہ عشق و فدائیت کہ جس کی مثال ماسوائے محمد مصطفےٰ ﷺ کے زمانہ کے اور کہیں نہیں ملتی،لائقِ تحسین ہیں وہ جو اس راہ میں کٹھن سے کٹھن مقام پر بھی نہ تھکے نہ ہارے نہ ماندہ ہوئے اور بہر حال منزلِ مقصود کی طرف دُرّانہ بڑھتے چلے گئے۔یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کا ذکر دلوں کو حرارتِ ایمانی سے گرماتا ہے۔انہی خصوصیات کی حامل ایک شخصیت سے ہم آپ کو ملواتے ہیں۔آیئے راہِ وفا کے سفر میں اُن کی کہانی انہی کی زبانی سنیے

میرا نام سبین ہے میری عمر ستائیس سال ہے۔میں نے عربی فاضل اور بی۔اے کیا ہے۔خوش قسمتی سے میرا تعلق ''جابہ'' نخلہ سے ہے۔نخلہ وہ مقام ہے جسے یہ اعزاز حاصل ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ گرمیوں میں یہاں قیام فرمایا کرتے تھے۔یہ وہ جگہ ہے جہاں احمدیت کی شدید مخالفت تھی۔مُلا نے احمدیوں کو بڑا تنگ کیا ہوا تھا۔مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بچوں کو گندے گندے نعرے یاد کروائے جاتے تھے۔دیواروں پر گندی گندی گالیاں لکھوائی جاتی تھیں،گلیوں میں لڑکے آوازے کستے ''شیزان نہ خریدو،شیزان کافروں کی بنی ہوئی ہے،شیزان نہ خریدو''

اسی قسم کے ماحول میں میری پرورش ہوئی۔اِن دنوں میں گولڑہ میں رہتی ہوں۔جو مخالفت کا گڑھ ہے۔جہاں احمدی کا نام سنتے ہی قتل کا فتویٰ دے دیا جاتا ہے۔سو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ میرا تعلق جن دو جگہوں سے ہے،ان دونوں میں احمدی کے نام سے نفرت کی جاتی ہے۔

میری امی نے اپنے بچپن میں کچھ کتابیں پڑھی ہوئی تھیں جن سے احمدیت کے بارے میں انہیں کچھ علم تھا اور مزید وہ جاننا چاہتی تھیں۔

احمدیت سے باقاعدہ تعارف کا ذریعہ میری بہن ساجدہ نوشین تھی۔اس نے ہمارے گھر میں سب سے پہلے احمدیت قبول کی۔یہ ان دنوں کی بات ہے جب وہ ائیر ہوسٹس بننے کا ارمان دل میں لئے کراچی روانہ ہوئی وہاں قیام کے دوران اس کی ملاقات ایک احمدی لڑکی سے ہوئی،جماعت کے بارے میں اس سے کافی معلومات ساجدہ نوشین کو حاصل ہوئیں۔چھ ماہ کے عرصے میں اس نے بہت سی کتابیں پڑھ لیں تھیں۔اس کا رجحان احمدیت کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ائیر ہوسٹس بننے کا شوق سرے سے ختم ہو گیا۔اس نے فیصلہ کر لیا کہ واپس جا کر جلد احمدیت قبول کر لے گی اور اس نے ایسا ہی کیا یہ 2004ء کی بات ہے۔2005ء میں اس کی شادی ایک احمدی گھرانے میں ہوگئی اور وہ اپنے گھر جی نائین اسلام آباد آ گئی۔یہاں اس کی ملاقات صدر حلقہ بشریٰ اکرام صاحبہ سے ہوئی۔

میں برٹش ہائی کمشن (اسلام آباد) میں ملازمت کر رہی تھی۔جہاں بشریٰ اکرام صاحبہ کی بیٹی زینب بھی کام کرتی تھی۔ہماری دوستی ہوگئی،ایک دوسرے کے گھر آنا جانا ہوا،مجھے جماعت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔میں زینب کے گھر ساجدہ کے ساتھ اجلاسوں میں تو جاتی ہی تھی،اب مسجد میں ہونے والے مرکزی اجتماعات میں بھی شامل ہونے لگی۔

مجھے سب اچھا لگنے لگا لیکن دل میں کچھ اُلجھنیں تھیں جن کا میں حل چاہتی تھی۔اسی اثناء میں ربوہ ایک قافلہ کے جانے کی خبر صدر حلقہ سے میری بہن کو ملی۔میں جانا چاہتی تھی،اس قافلہ کے ساتھ ربوہ چلی گئی۔ربوہ کے بارے میں کافی کچھ سُن رکھا تھا کہ وہاں جنت دوزخ ہے۔قبرستان کے باہر لا الہ لکھا ہوا ہے جہاں پاؤں رکھ کر احمدی قبرستان میں داخل ہوتے ہیں اور یہ کہ جنت دوزخ میں جانے کا فیصلہ یہ لوگ خود کرتے ہیں اور یہ فیصلہ ان کی زندگیوں میں ہی ہو جاتا ہے۔لیکن وہاں جا کر میرے خیالات بدل گئے،یہ سنی سنائی باتیں یکسر غلط ثابت ہوئیں۔مجھے نظامِ وصیت اور شعبہ خدمتِ خلق سے آگاہی ہوئی۔ایک بات جس نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ احمدیوں کا ہر ایک سے عزت،محبت اور پیار سے پیش آنا تھا۔

مجھے خود اس کا تجربہ بھی ہوا۔سبھی مجھ سے بہت اخلاق سے ملے پڑھنے کے لئے کتابیں بھی تحفے میں دیں۔دوبارہ آنے کی خواہش دل میں لئے میں ربوہ سے لوٹی۔

اب میں مطالعہ میں مصروف رہنے لگی۔کتابیں پڑھنے کے باوجود دل اتنا مطمئن نہ ہوا کہ ذہن بیعت کے لئے کھلتا۔ایک چیز جو مجھے سب سے زیادہ سمجھائی جاتی تھی وہ یہ تھی کہ دعائیں کرو، بہت دعائیں کرو اور دعا سے ہی مشکلات کا حل ملے گا۔میرے دل میں ختمِ نبوت، رسول اللہ ﷺ کو احمدیوں کا آخری نبی نہ ماننا (نعوذ باللہ) مرزا غلام احمد صاحب کو نبی ماننا، جیسے اعتراضات جاگزیں تھے۔

بشریٰ آنٹی کے ساتھ گھر والے تعلقات تھے۔میرے والد صاحب کے انتقال پر انہوں نے ہر طرح ہمارا خیال رکھا، اس بے لوث خدمت نے ہمارے دلوں میں ان کی محبت کو اور بڑھا دیا اُن کے اکثر جانا ہوتا تھا۔انہوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ دعائیں کرو۔میں بہت دعائیں کرنے لگی میں نے سوچا کہ انشراحِ صدر کے لئے ہر ایک سے پوچھنے کی بجائے خدا تعالیٰ سے راہنمائی مانگوں۔ایک رات میں اسی غرض سے بہت دعا کر کے سوئی کہ اے اللہ میری دست گیری فرما اور مجھے سیدھا راستہ دکھا۔اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جس کی کوئی کھڑکی نہیں، وہاں میرے علاوہ چند اور برقع پوش خواتین بیٹھی ہیں۔ایک عورت کہتی ہے کہ جو لوگ مر جاتے ہیں ان کی چھوڑی ہوئی اشیاء سے کراہت نہیں کرنی چاہیئے، کیونکہ ایک عورت فوتیدگی والے گھر سے کھانا نہیں کھاتی تھی، اس نفرت کے نتیجہ میں وہ ایسی ہوگئی کہ جس چیز کو وہ ہاتھ لگاتی تھی بھوسہ بن جاتی تھی۔اس اذیت میں وہ مبتلا رہی جب تک کہ اس نے توبہ نہ کر لی۔اس بیان کے بعد یک دم دروازہ کھلا اور میں نے دیکھا کہ ہر طرف نور ہی نور ہے، میں نے محسوس کیا کہ اس نورانی فضا میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں پھر اعلانِ نماز ہوا۔کسی کا منہ کسی طرف کسی کا کسی طرف (مشرق یا مغرب) ہے۔لیکن میرے اندر کی کفیت کہہ رہی تھی کہ ادھر حضرت محمد ﷺ خود موجود ہیں اور ہم خانہ کعبہ میں ہیں اور یہی درست سمت ہے۔

اس کے ساتھ ہی میری آنکھ کھل گئی۔میں خوفزدہ تھی اور جسم پسینے سے شرابور تھا۔میں نے امی کو خواب سنایا۔یہی خواب تھا جس نے مجھے بدل دیا۔امی کے کہنے پر میں نے دو نفل پڑھے دعا کی، میرا دل تسلی پا چکا تھا۔اس روز اتفاقاً ایک دوسرے قافلے کے ساتھ ربوہ جانے کا انتظام ہوگیا۔میں دعا کرتی رہی دورانِ سفر ہی دل میں پڑی ہوئی گرہیں ایک ایک کر کے کھلنے لگیں، ربوہ میں اس قیام کو میں نے پہلے سے زیادہ ایمان افروز پایا۔واپس آ کر میں صدر حلقہ کے گھر گئی۔وہاں صدر صاحبہ ضلع، صدر صاحبہ شہر، سیکریٹریانِ تربیت مدعو تھیں۔ایک سادہ اور پُر وقار تقریب ہوئی، دعا کے بعد بیعت کر کے میں مشرف بہ احمدیت ہوگئی الحمدللہ علیٰ ذالک۔

بیعت کرنے کے بعد شروع دن سے ہی میں عملاً نظامِ جماعت میں شامل ہونے کی کوشش کرنے لگی۔میرا رجحان چندہ دینے کی طرف بہت ہوگیا۔دل کو یہ تسلی اور اطمینان تھا کہ اب میں ایک ایسی جماعت میں شامل ہو چکی ہوں اور ایسے پاک دامن سے وابستہ ہو چکی ہوں جو حقیقی اسلام سکھاتا ہے اور بہترین راہبر ہے۔مجھے خود اپنے آپ میں ایک نمایاں تبدیلی کا احساس ہونے لگا۔میں نے اپنے ظاہر کو بھی بدل لیا اب میں مکمل پردہ میں رہنے لگی۔نمازوں میں باقاعدگی آ گئی، خلافت کی محبت میرے دل میں موجزن ہوگئی۔

اس گفتگو کی سب سے خوبصورت بات میرے دل کی اس آرزو کے پورا ہونے کا ذکر ہوگا جو خلیفہء وقت سے ملاقات کرنے کی تھی۔جولائی 2007ء کا جلسہ سالانہ قریب آ رہا تھا، میں نے اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے پیسے جمع کرنے شروع کر دیئے اور دعاؤں میں لگ گئی۔آخر وہ دن آ گیا جب میں لندن کے لئے عازمِ سفر ہوئی۔میرے پاس دو ہفتے تھے ایک ہفتہ جماعت کے لئے اور ایک شہر دیکھنے کے لئے۔

بشریٰ آنٹی کے والدین کی میں مہمان بنی۔انہوں نے بہت خوش دلی سے میرا استقبال کیا، مجھے ہر آرام اور سہولت مہیا کی۔حضور ایدہ اللہ سے ملاقات کا وقت لیا۔درگاہِ خلافت پر حاضر ہوئی تو اس دل کی کیفیت بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں، اتنی بارعب اور سحر انگیز شخصیت کہ مدعا بیان کرنے کی ہمت اور سکت نہ تھی۔حضور کو دعا کے لئے کہا حضور نے بڑی شفقت سے حال پوچھا۔میرے بتانے پر فرمانے لگے نخلہ اور گولڑہ ہر دو جگہیں ایسی ہیں جہاں اب بھی بہت مخالفت ہے لیکن سعید روحیں اس طرف آ رہی ہیں۔اس ملاقات کے دوران مجھے یوں لگا گویا میں ایک سائبان کے نیچے بیٹھی ہوں ایک سایہء رحمت وعافیت کی پناہوں میں ہوں۔ایک پاک باز کے دامن سے وابستہ ہو چکی ہوں۔حضور نے الیس اللہ بکاف عبدہ کی انگوٹھی دی۔اب میں حضور کو باقاعدہ دعا کے لئے خط لکھتی ہوں اور نیچے بریکٹ میں نخلہ ضرور لکھتی ہوں۔میرا رشتہ طے ہو چکا ہے نیک لوگ ملے ہیں۔میں باقاعدہ خطبہ سنتی ہوں۔جماعت کی سب سے اچھی بات اطاعتِ امام ہے۔

لندن میں قیام کے دوران ایک واقعہ کہ جس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا وہ یہ ہے کہ وہاں جس سے بھی میں ملتی لوگ بہت محبت سے ملتے، تحفے دیتے اور اکثر ملنے والوں نے مجھے پاؤنڈز تحفتاً دیئے۔خدا کی عجیب کرامت ہے کہ جب میں نے واپس آ کر وہ پاؤنڈز گنے تو اتنی ہی رقم تھی جو لندن جانے کے لئے میں نے ٹکٹ وغیرہ کے لئے جمع کی تھی۔واقعی وہ بے نیاز ہے اور دینے اور عطا کرنے میں نرالی شان رکھتا ہے۔توکل شرط ہے۔

قبول احمدیت کے بعد سے اب تک شدید مخالفت کا سامنا ہے۔مجھے اور میری والدہ کو میرے اپنوں کی طرف سے قتل کی دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ہمارا اپنے ہی گھر میں قرآن مجید اور سلسلہ کی کتب رکھنا سختی سے منع ہے۔مخالفت زوروں پر ہے، بادِ مخالف تُند وتیز ہے، لیکن بفضلِ خدا دل کو ایک تسکین وطمانیت حاصل ہے کہ اس راہ میں پڑے کانٹوں کی چبھن پائے ثبات کو پیچھے نہ ہٹنے دے گی۔اس تاریک رات کے پرے ایک روشن صبح طلوع ہوگی اس نوید کے ساتھ کہ یہی میرے اپنے میرے پیارے ایک دن ایک باطنی کمند کے ساتھ اس طرف کھنچے چلے جائیں گے۔انشاءاللہ۔

☆......☆......☆......☆

عطر کا تحفہ

1989ء میں صد سالہ جشنِ تشکّر کے جلسہ سالانہ منعقدہ اسلام آباد، برطانیہ میں، جماعت احمدیہ سیرالیون کے مرکزی نمائندے کے طور پر شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ازراہِ کرم مرکزی نمائندگان کو مختلف تحائف سے نوازا۔ اس احقر کو شلوار، قمیص، ایک قلم اور دیسی عطر کی چند شیشیاں عطا فرمائیں۔ واپسی پر سیرالیون میں ایک نظم میں، اظہارِ خیال کا موقع ملا مگر وہ نظم بھی خانہ جنگی کے زمانے میں دوسرے کاغذات کے ساتھ ضائع ہوگئی۔ حافظے کی مدد سے دوبارہ ان خیالات کو یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

لطف الرحمٰن محمود

مرے حضور نے بخشا ہے مجھ کو عطر کا تحفہ
میں اس عنایتِ شاہی کا مستحق نہ تھا
مگر مزاجِ شہاں ہے کہ خاکِ راہ کو بھی
نواز کر، اگر چاہیں، تو مثلِ مہر و ماہ کر دیں

مرے حضور کا ربطِ نہاں ہے اُس عظیم ہستی سے
کہ جس کو، اہلِ علم، سمیع و بصیر کہتے ہیں
اُسی نے کی ہے عطا میرے پیارے آقا کو
وہ نگاہ، وہ بصیرت، جو شانِ مومن ہے

مرے شعور کی نچلی تہوں کے مدفن میں
مہین سا اک کیڑا کلبلاتا ہے
اور روز و شب یہ مجھ سے کہتا ہے
کہ حرف و صوت کی جولاں گاہ ہستی میں
ہمارا اَسپ بھی شامل ہے کارزارِ گرمی میں
ہمارا نام بھی ہے اہلِ قلم کے لشکر میں
ہمیں بھی ہے اک نسبتِ خدمت
انہی وابستگانِ محراب و منبر سے

حضور جانتے ہیں کبر کی رعونت کو
خبیث فطرتِ ابلیس کی عفونت کو
حضور چاہتے ہیں کہ میں اس سے پاک ہو جاؤں
اگر ہوں بندۂ خاکی، تو خاک ہو جاؤں
دیا ہے اس لئے مجھ کو یہ عطر کا تحفہ

اِسی نوازشِ آقا کا اک سبق اور بھی ہے
حضور چاہتے ہیں کہ دعوتِ حق کُو بہ کُو پہنچے
مُشامِ جاں میں اُترتے ہوئے عطر کی مانند
حصول اس کا فقط اُسی وقت ممکن ہے
کہ جب حریمِ سیرتِ داعی بھی عطر بیز ہو جائے
دیا ہے اس لئے مجھ کو یہ عطر کا تحفہ
کہ میری رُوح بھی ہو، مُشکِ خُتن کا اک نافہ
خدا کرے عطا وہ انکسار کہ بعد از مرگ
مرے مزار سے بھی عاجزی کی مُشک بُو آئے

جامعہ نصرت برائے خواتین، ربوہ

بشریٰ بشیر

اللہ تعالیٰ نے تقسیم ملک کے جلد بعد جماعتِ احمدیہ کے اولوالعزم امام حضرت مصلح موعود رضی اللہ کی توجہ کو اسطرف مبذول کردیا کہ مرکزِ احمدیت ربوہ میں خواتین کالج قائم کرنے کا وقت آ پہنچا ہے۔ چنانچہ حضور اقدس نے خاص منشائے الٰہی کے تحت جامعہ نصرت کی بنیاد اپنے مقدس ہاتھوں سے 14 جون 1951ء کو رکھتے ہوئے اسکا افتتاح فرمایا:

تلاوت قرآن کریم' حضور انور کی تشریف آوری پر کالج کی ایک طالبہ امتہ المجید بیگم صاحبہ نے کی۔ اس موقعہ پر حضور نے ایک طویل خطاب فرمایا جس میں ابتدائی دَور کے مسلمانوں کے علمی کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے اسلام کے عظیم الشان تاریخی واقعات کا تفصیلاً ذکر فرمایا۔ ان واقعات کے تفصیلی تذکرہ کے بعد حضور نے فرمایا کہ ان بدلے ہوئے حالات کے مطابق ہم سہولت کیساتھ اس کالج میں بھی دینیات کی تعلیم دے سکتے ہیں تو میں نے فیصلہ کیا کہ قادیان والی دینیات کی کلاسز کو ختم کردیا جائے اور اسی کالج میں ہی دینیات کی تعلیم لازمی کردی جائے تاکہ دُنیاوی مضامین کے ساتھ ساتھ وہ دینی لحاظ سے بھی اعلیٰ درجہ کی معلومات حاصل کرسکیں اور اسلام کے بارے میں اُنکی نظر وسیع ہوجائے۔ تاکہ کالج کے قیام سے ہماری لڑکیاں پاکستان کی اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین کی نہ صرف برابری کرسکیں بلکہ انکی اسلام پر نظر وسیع ہونے کی وجہ سے دماغی اور قلبی کیفیت اور ذہانت دوسروں کی نسبت بہت بلند و بالا ہو اور جب ہماری لڑکیاں اُنکے پاس بیٹھیں تو وہ یہ محسوس کریں کہ انکا علم اَور ہے اور ہمارا اَور یعنی انکا علم آسمانی ہے اور ہمارا زمینی!

اس کالج میں پڑھنے والی دو قسم کی طالبات ہوسکتی ہیں کچھ تو وہ ہونگی جن کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ تعلیم حاصل کرکے دُنیاوی کام کریں اور کچھ وہ جنکا مقصد یہ ہوگا کہ وہ تعلیم حاصل کرکے دین کی خدمت کریں۔ حضور نے اس طویل ایمان افروز خطاب (جسکا خلاصہ پیش کیا گیا ہے) کے بعد ایک لمبی دُعا فرمائی۔

ابتدائی سٹاف

حضور اقدس نے حضرت مریم صدیقہ صاحبہ کو نگران مقرر فرمایا۔
مکرمہ فرخندہ اختر شاہ صاحبہ (اہلیہ سیّد محمود اللہ شاہ صاحب) کو پرنسپل کی ذمہ داری عطا فرماتے ہوئے پہلے سال کیلئے مندرجہ ذیل اساتذہ کو تدریسی ذمہ داریاں سونپی:

سیّدہ حضرت اُمِّ متین صاحبہ	عربی
مولانا قاضی نذیر احمد صاحب لائل پوری	دینیات
محترمہ فرخندہ اختر شاہ صاحبہ	انگریزی اور اقتصادیات
پروفیسر علی احمد صاحب	اُردو اور فارسی
چودھری علی محمد صاحب	تاریخ
اُستانی سردار بیگم صاحبہ	عربی

عمارت

شروع میں سولہ طالبات نے جامعہ نصرت میں داخلہ لیا جن کیلئے کوئی عمارت موجود نہ تھی۔ لہٰذا 16 طالبات کی تدریس کا انتظام حضرت مصلح موعودؓ کی کوٹھی میں کیا گیا۔ کالج دوسرے سال 1952ء میں دفتر لجنہ مرکزیہ میں منتقل ہوا اور 1953ء میں موجودہ عمارت کے پہلے چار کمرے تیار ہونے پر اس میں منتقل کردیا گیا پھر 1961ء میں اسکی وسیع عمارت کے ساتھ ساتھ بارہ دری کا بھی اضافہ ہوا۔

8 مارچ 1971ء کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے اپنے دستِ مبارک سے سائنس کا سنگ بنیاد رکھا اور اسی سال ایف۔ ایس سی میڈیکل اور نان میڈیکل کی کلاسز کا بھی اجراء ہوگیا اور 1971ء کے اواخر میں جامعہ نصرت کی طالبات پہلی مرتبہ ایف۔ ایس سی کے امتحان میں شامل ہوئیں۔

حضرت مصلح موعودؓ کی بابرکت دعاؤں کے نتیجہ میں جامعہ نصرت نے چند سالوں میں فقید المثال ترقی کی۔ اپنے ابتدائی 22 سالہ دَور میں تعلیمی، تربیتی اور دینی ہر اعتبار سے حضرت سیّدہ اُمِّ متین صاحبہ اور محترمہ فرخندہ اختر شاہ صاحبہ جیسی بزرگ ہستیوں کی

سرپرستی اور نگرانی میں بے مثال ترقی کی منازل طے کرلیں اور وہ جامعہ جو چار پانچ جُز وقتی اساتذہ کی مدد سے شروع ہوا تھا 22 سالوں میں 32 فرض شناس پروفیسرز اور لیکچرارز سے بھی تجاوز کر گیا اور 1973ء تک یہ ادارہ طالبات کے لحاظ سے ساڑھے تین سو کی تعداد تک جا پہنچا جو صرف سولہ طالبات سے شروع ہوا تھا۔

علاوہ ازیں جامعہ نصرت کی طالبات کی کامیابی کا تناسب بورڈ اور یونیورسٹی کے مقابلہ میں بہت نمایاں رہتا رہا۔ طالبات نہ صرف بورڈ اور یونیورسٹی کے امتحانات میں اوّل آتی رہیں بلکہ بعض مخصوص مضامین میں طلائی تمغے بھی حاصل کئے جو حضرت مصلح موعودؓ کی خوشنودی کا باعث ہوئے۔

جامعہ نصرت کا مثالی اسلامی ماحول

جامعہ نصرت میں دینیات کا مضمون لازمی قرار دیا گیا تھا لہٰذا اس کا پاکیزہ اور بابرکت اسلامی ماحول اس چیلنج کا واقعاتی اور مسکت جواب ثابت ہوا کہ پردۂ اسلامی عورت کی ترقی میں روک ہے۔ جامعہ نصرت کے اسلامی ماحول نے قرون اولیٰ کی علم پرور خواتین کی یاد تازہ کردی جس کا اعتراف غیروں نے بھی برملا کیا۔ مسز ڈاکٹر علی محمد صاحب پرنسپل لاہور کالج برائے خواتین کو جب گورنمنٹ کی طرف سے جامعہ نصرت کے معائنہ کیلئے بھجوایا گیا تو اُنہوں نے اپنے تاثرات کا اندراج مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا:

''ربوہ اپنی لڑکیوں کی تعلیم کے لحاظ سے تمام پنجاب میں سبقت لے گیا ہے۔ یہاں عجب سماں ہے۔ پڑھنے اور پڑھانے والیاں ایک ہی مقصد کے ماتحت رواں دواں ہیں اور ان میں سے کسی کی بھی توجہ کسی اور طرف نہیں۔ اس بےلوث جذبہ کو دیکھ کر بے اختیار کہنے پر مجبور ہوں کہ صحیح اسلامی تعلیم کی فضاء ربوہ ہی میں پائی جاتی ہے۔'' (تاریخ احمدیت جلد13صفحہ338)

پیارا جامعہ نصرت اور میرا ذاتی تعلق

1956ء میں مَیں نے اور میرے میاں بشیر احمد صاحب نے باہمی رضامندی سے یہ فیصلہ کیا کہ ہم دونوں کو مزید تعلیم حاصل کرنی چاہیئے۔ اُنہوں نے ایم۔ایس سی میں لاہور میں داخلہ لے لیا جبکہ میں دو چھوٹے بیٹوں کو لے کر ربوہ آ گئی اور اپنے میاں کے بھائی اور بھابھی کے ساتھ قیام پذیر ہوئی۔ مجھے پڑھنے کا شوق تھا لہٰذا پرائیویٹ طور پر ایف۔اے کا امتحان شادی کے بعد ہی پاس کیا۔

اب تھرڈ ایئر (سالِ سوم) میں داخلہ کی غرض سے جب پرنسپل صاحبہ (مکرمہ فرخندہ اختر شاہ) کے دفتر میں داخل ہوئی تو ایک بارُعب لیکن متبسّم خاتون کو دیکھ کر میرے جسم میں طمانیت کی لہر دوڑ گئی۔ آگے بڑھ کر اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے اپنے کاغذات پیش کئے تو چند لمحات کی ورق گردانی کے بعد جب محترمہ نے اثبات میں سر ہلایا تو میرے وجود کو سکینت کے احساس نے سرتاپا گھیر لیا۔

بی۔اے کی دونوں کلاسز کو مسز شاہ صاحبہ انگریزی پڑھایا کرتی تھیں۔ آپ کی زبان پر گرفت اور تمام واقعات پر عبور نیز دلکش اندازِ بیان ایسی خصوصیات تھیں جو کلاس کو بہت دلچسپ بنا دیا کرتی تھیں۔ مَیں نے آپ سے بہت کچھ سیکھا۔ آپ ہر لحہ اس درسگاہ کی ترقی اور علمی معیار کی ترقی کیلئے کوشاں نظر آتیں۔ شب و روز آپ کی سوچ کا محور یہی ادارہ تھا لہٰذا نتیجہ سامنے تھا کہ چند ہی سالوں میں یہ ادارہ تدریسی اور غیر تدریسی لحاظ سے پنجاب یونیورسٹی سے ملحق بہترین کالجوں میں شمار ہونے لگا۔

حضرت سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ کی خاص توجہ اور دلچسپی بھی اس ادارہ کی تربیتی، تعلیمی اور اخلاقی روایات کو نمایاں کرنے میں ممد و معاون رہی۔ مَیں اس لحاظ سے خوش قسمت تھی کہ مجھے ایسی عظیم المرتبت ہستیوں کی ذات سے استفادہ کرنے کا موقعہ ملا۔ حضرت سیّدہ بشریٰ بیگم صاحبہ سے بھی قریبی تعلق کی یہ صورت پیدا ہوئی کہ آپ انگریزی کی کلاس میں شرکت کیلئے تشریف لایا کرتی تھیں یہ تعلق آپ کے بےلوث محبت اور پُرخلوص آئندہ کے تعلقات کا باعث بنی۔ الحمدللہ

یہ دو سال جامعہ نصرت کے بہت یادگار ہیں۔ بی۔اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد مَیں لاہور واپس آئی تو پیاری مسز شاہ کے مشورے پر ایم۔اے اسلامیات کی کلاسز میں داخلہ لے لیا اس لئے کہ اس مضمون میں اوّل آنے پر وظیفہ متوقع تھا۔ یہ مشورہ بہت مفید رہا اور خاکسار ایم۔اے کا امتحان پاس کرکے اپنے میاں کے پاس چلی گئی۔

تھوڑے عرصہ کے بعد مجھے حضرت سیّدہ اُمِ متین صاحبہ اور مسز شاہ صاحبہ کا پیغام ملا کہ ہمیں اسلامیات کی لیکچرر کی ضرورت ہے لہٰذا یہاں آنے کا پروگرام بناؤ۔ ان دو قابلِ احترام ہستیوں کی پیشکش کا انکار کرنا ہم دونوں میاں بیوی کے لئے بے حد مشکل تھا۔ لہٰذا 1961ء میں مارچ کی ابتدائی تاریخوں میں مَیں اپنے چار بچوں کے ساتھ ربوہ آ گئی۔ یہاں آنا میرے اور میرے بچوں کے لئے ایک بہتر مستقبل کا ضامن بن گیا۔ وہ اس طرح کہ بچوں کو تعلیمی لحاظ سے بہترین ماحول میسر آ گیا اور مجھے کالج میں 17 سال تک ملازمت کا بہترین موقعہ ملا اور مکرمہ مسز شاہ صاحبہ کی محبت اور توجہ نے بہت بیش قیمت تجربات کا سرمایہ عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں اس محبت اور شفقت کا بہترین بدلہ عطا فرمائے، آمین۔

اس عرصہ میں ایک نہایت قیمتی سرمایہ میری زندگی کا دینی خدمت کا موقعہ میسر آنا ہے۔ کالج کی ملازمت کے ایک سال کے بعد ہی حضرت سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ (انٹرنیشنل) نے مجھے سیکرٹری تعلیم کی ذمہ داری عطا فرمائی۔ پھر جلد ہی بعد آپ کی نظرِ انتخاب خاکسار پر بطور جنرل سیکرٹری کے پڑی۔ آپ نے اس عہدہ سے سرفراز فرماتے ہوئے مجھے بہتر طور پر کام کرنے کا سلیقہ بھی سکھا دیا۔ اسطرح 1967ء سے لے کر 1972ء تک دینی خدمات کا موقعہ ملنا میری زندگی کا سنہری دَور تھا۔ اس عرصہ میں لجنہ کے اجتماعات میں آپ کی زیرِ ہدایت کام کرنے کا موقعہ بھی ملا۔ بطور سٹیج سیکرٹری اور رپورٹر بھی بہت کچھ سیکھا۔ جلسہ سالانہ کے مواقع پر بھی منتظمہ اسٹیج کی ڈیوٹی اور دیگر انتظامات میں حصہ لینا بھی بہت مفید ثابت ہوا۔ ربوہ کے دینی ماحول کیوجہ سے بچوں کی تعلیم وتربیت میں بہت آسانی رہی۔ دونوں بیٹے تو میٹرک سے قبل ہی بیرونِ ربوہ کے اداروں میں داخلہ لے کر باہر چلے گئے تھے۔ دونوں بیٹیاں جواُن سے چھوٹی تھیں فضلِ عمر سکول میں تعلیم پاتی رہیں اور بفضلِ تعالیٰ میٹرک کا امتحان وہیں پر پاس کیا۔ خاص طور پر اس امتحان سے قبل قرآن کریم باترجمہ ختم کرنے کی جو شرط تھی اُس نے اُنکی زندگیوں میں دینی تعلیم کے لحاظ سے نہایت اہم کردار ادا کیا۔ دونوں نے بفضلہ تعالیٰ ربوہ کی طالبات میں اوّل آکر خلفائے وقت سے طلائی تمغہ جات لینے کا اعزاز حاصل کیا۔ ناصرات الاحمدیہ کے امتحانات اور اجتماع کے مواقع پر تقریری مقابلہ جات میں بڑے شوق سے حصہ لیتی رہیں اور ہمیشہ نمایاں پوزیشنز حاصل کر کے خواتین مبارکہ سے انعامات لیتی رہیں۔

ان واقعات کا مختصر تذکرہ اس غرض سے کر رہی ہوں کہ ایک سازگار ماحول میں رہنے کی وجہ سے بچے قدرتی طور پر خود بخود ایسی اقدار کو اپنا لیتے ہیں جن پر اُنکے والدین عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اُن کا باپ تو ملازمت کے سلسلہ میں باہر ہی رہا لیکن ماں کی ربوہ کی رہائش بیٹیوں کے لئے آئندہ کی زندگی میں بھی بہت سُودمند رہی بیرونِ ربوہ یونیورسٹیوں وغیرہ میں اعلیٰ تعلیم کے زمانے میں بھی دینی اقدار نے ہمیشہ اُنہیں ماحول کی خرابیوں سے محفوظ رکھا۔ امریکہ آکر بھی اعلیٰ تعلیم اور ملازمتوں کے باوجود دین کی خدمات کا سلسلہ جاری رہا اور اہم ذمہ داریوں کو باحسن نباہ رہی ہیں۔ بیٹے بھی بفضلہ تعالیٰ اعلیٰ ترین تعلیم حاصل کرنے کے بعد ڈاکٹریٹ وغیرہ کی ڈگریوں کے ساتھ اعلیٰ ملازمتوں پر باعزت طور پر برسرِ روزگار ہیں۔ یہ مختصر تذکرہ تحدیثِ نعمت کے طور پر کر رہی ہوں نیز اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ تھوڑی سی دینی خدمت کا بے انتہا اعلیٰ بدلہ عطا فرماتا ہے۔

اب تھوڑا سا مزید ذکر جامعہ نصرت کا ہو جائے۔ 1972ء میں تمام پنجاب کے پرائیویٹ تعلیمی ادارے نیشنلائز کر لئے گئے۔ جسکے نتیجے میں احمدی اساتذہ کو بیرون از ربوہ بھجوایا جانے لگا اور غیر احمدی سٹاف باہر سے بھیجا جانے لگا۔ مکرمہ مسز شاہ صاحبہ کی ریٹائرمنٹ کے بعد خاکسار کو قائمقام پرنسپل کی ذمہ داری سونپی گئی۔ 1977ء میں خاکسار نے ایک سال کی رُخصت لے لی اور میرے بعد مکرمہ مس اریبہ خانم صاحبہ نے کام سنبھالا۔ حتّٰی کہ غیر احمدی پرنسپل مسز فیض بتول کو بھجوایا گیا جو تھوڑے عرصہ میں واپس چلی گئیں۔ غیر احمدی سٹاف کے آجانے سے جامعہ نصرت کی اخلاقی اور نمایاں تعلیمی اقدار بھی زوال پذیر ہونا شروع ہو گئیں۔ اب دس بارہ سال سے ہم امریکہ میں اپنے بچوں کے پاس مقیم ہیں لہٰذا کسی قسم کی تفصیلات کا علم نہیں۔ سُننے میں آتا ہے کہ سبھی تعلیمی اداروں کا حال بد سے بدتر ہوتا جا رہا ہے۔

☆......☆......☆......☆

محترمہ نعیمہ بیگم صاحبہ بنت حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ وفات پا گئیں

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

امۃ الشافی صدیقی صاحبہ اہلیہ مکرم ڈاکٹر عبدالمنان شہید تحریر کرتی ہیں:

مورخہ 17 مارچ 2011ء کو خاکسار کی پھوپھی محترمہ نعیمہ بیگم صاحبہ بنت حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ (معالج خصوصی حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ) اہلیہ مکرم اکرم شاہ صاحب مرحوم آف لاہور کینٹن Ohio کے مقامی ہسپتال میں کچھ عرصہ علیل رہنے کے بعد بعمر 79 سال وفات پا گئیں۔ مرحومہ اللہ کے فضل سے موصیہ تھیں۔ اپنے والد کی وساطت سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ، حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ، حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ قریبی تعلق تھا۔ محترمہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے کہنے پر ہسٹری میں ایم۔ اے کیا اور عرصہ 6 سال تک جامعہ نصرت ربوہ میں لیکچرر کے فرائض انجام دیئے۔ امریکہ میں 1992ء سے اپنے فرزند اصغر مکرم ڈاکٹر اکبر شاہ صاحب کے ساتھ مقیم تھیں۔ آپ کو صدر لجنہ، سیکرٹری تعلیم، سیکرٹری تربیت کے جماعتی فرائض ادا کرنے کی توفیق ملتی رہی۔ مرحومہ بہت دعا گو، ملنسار صابر اور بہت خدمت خلق کرنے والی مہمان نواز خاتون تھیں۔ مرحومہ، مکرم ڈاکٹر عبدالمنان صدیقی شہید کی خالہ ہیں اور اُن سے بہت پیار کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور لواحقین اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین۔

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے از راہِ شفقت یکم اپریل 2011ء کے خطبہ جمعہ میں نعیمہ بیگم صاحبہ کا ذکرِ خیر بہت پیارے الفاظ میں فرمایا اور اُنکی نمازِ جنازہ غائب بھی پڑھائی۔

محترم مکرم مولوی محمد احمد صاحب جلیل رحمۃ اللہ کی یاد میں

(پروفیسر) رشیدہ تسنیم خان۔ فلاڈلفیا، امریکہ

سن 56-1955 کا زمانہ تھا میرے ابا جی نے ہمیں حافظ آباد سے ربوہ کے پرسکون ماحول میں پڑھنے کے لئے بھجوادیا۔ گرمیوں کی تعطیلات کے بعد نصرت گرلز ہائی سکول کی کچی عمارت میں آج میرا پہلا دن تھا۔ گرمیوں کے دن تھے ہماری کلاس کمرے کے سائے میں ٹاٹوں پر ہوا میں بیٹھی تھی۔ انگلش کی استانی صاحبہ تشریف لائیں۔ محترمہ استانی صاحبہ کی عادت تھی کہ جونہی گاڑی کی آواز آتی، ماتھے پر ہاتھ کا چھجا بنا کر گاڑی کا نظارہ کرتیں۔ آج نظارہ کرنے کے بعد فرمانے لگیں: سالانہ امتحان میں تھوڑا وقت رہ گیا ہے۔ اب تم لوگوں کو محنت سے پڑھنا ہوگا۔ پرائیویٹ طالبات ایک طرف ہو جائیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک جمِ غفیر باقی کلاس سے الگ ہوگیا۔ یہ وہ طالبات تھیں جنکو نظارت تعلیم کی طرف سے فری کلاسیں اٹینڈ کرنے کی اجازت تھی۔ استانی صاحبہ نے ان کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا اور کہا: یہ تو موسمی پرندے ہیں۔ پھر ان طالبات کی لائن بنوائی جن سے فرسٹ ڈویژن لینے کی امید تھی۔ بعدازاں کلاس کی عمومی لیاقت پرکھنے کے لئے سوالات پوچھنے شروع کئے۔ "gardener کے کیا سپیلنگ ہیں؟" میں نے ہاتھ بلند کیا، اور جواب دیا: "garden کے آگے -er لگا دیں"۔ استانی صاحبہ نے انگلی کے اشارے سے مجھے ذہین فطین لائن میں بیٹھنے کے لئے اشارہ کیا۔ جہاں ٹاٹ پر بیٹھی ایک لڑکی نے اپنی خوردبینی نظر سے میرا جائزہ لیا۔ اور پرے کھسک کر میرے بیٹھنے کے لئے جگہ بنا دی۔ یوں استانی جی کی دریا دلی سے ایک کم مایہ قطرے کو گہر ہونے میں چند لمحے لگے!

ان talented لڑکیوں نے اچھے نتائج دکھا کر سکول کا نام روشن کرنا تو تھا ہی، اس کے علاوہ انکے ذمے چھٹی کے بعد نلکے سے نمکین پانی کی بالٹیاں بھر بھر کر کمرے کے اندر اور باہر چھڑکاؤ اور جھاڑو بہارو بھی کرنا ہوتا تھا۔

یہ حاتم طائی صفت لڑکی جس نے میرے لئے اپنے پاس ٹاٹ پر جگہ بنائی تھی، حضرت مولانا محمد اسماعیل حلال پوریؓ کی پوتی اور مولانا محمد احمد جلیلؒ کی بڑی صاحبزادی امۃ المجید ناصر عرف 'جیدی' تھی۔ قصہ مختصر یوں میرا مولوی صاحب کے گھر سے تعارف ہوا۔ جیدی مجھے بڑے اصرار اور محبت سے اپنے گھر لے گرگئی۔ اس زمانے میں مولانا انجمن کے کوارٹر میں رہا کرتے تھے، جو دو کمروں اور ایک باورچی خانے پر مشتمل تھا۔ اس بابرکت گھر میں چار پانچ چارپائیاں اور اتنی ہی کین کی کرسیاں تھیں، جو سرمائی اور گرمائی ضرورت کے مطابق اندر باہر جگہ بدلتی رہتی تھیں۔

سارا دن آنے جانے والوں کا تانتا سا بندھا رہتا۔ مولوی صاحب کے ساتھ اکثر اوقات کوئی نہ کوئی مہمان ہوتا، جو آپ کے چھابے کی روٹیوں اور سالن کے پیالے میں شریک طعام ہوتا۔ مولوی صاحب سب سے پہلے روٹیوں کے نیچے سے بچا ہوا ٹکڑا نکال کر کھاتے۔ اور ٹھنڈا پانی پی کر نسبتاً اونچی آواز میں الحمدُ للہ پڑھتے۔ میں نے آپ کو کبھی اونچی آواز میں بات کرتے اور کسی پر اعتراض کرتے نہیں سنا۔ جب ہم سہیلیوں کا گروپ قرآنِ پاک کے درس اور تراویح میں شامل ہونے کا پروگرام بناتا، تو دور جانے والیوں کو انکے گھروں تک چھوڑ کر آتے۔ اور مولوی صاحب کے گھر سے کسی کو ساتھ لے لیتے۔

گریجوایشن کے بعد ہم نے پنجاب یونیورسٹی لاہور میں داخلہ لیا، تو مولوی صاحب اس زمانے میں جماعتی کاموں کے لئے اکثر لاہور آتے جاتے رہتے تھے۔ کئی بار ہمارے ہمسفر ہوتے، اکثر خاموش رہتے، ایک دو بار کھانے کا پوچھتے، اور ہمیں ہوسٹل تک چھوڑ کر آتے۔ جیدی اکثر اپنی روم میٹس کو جسونت بلڈنگ میں اپنے ماموں فدا صاحب اور ممانی آپا نعیمہ کے ہاں مدعو کرتی۔ جہاں پر اچھی ضیافتوں کے ساتھ مولوی صاحب کی دعاؤں سے بھی حصہ ملتا رہتا۔ مجھے یاد نہیں مولوی صاحب نے ہماری پڑھائی اور رزلٹ وغیرہ کے بارے میں کبھی پوچھا ہو۔ سلام کا جواب ایک مطمئن سی مسکراہٹ کے ساتھ دیتے، اور یہی کافی ہوتا۔

پڑھائی سے فراغت پاتے ہی جامعہ نصرت کالج کا جان سے پیارا ماحول پھر سے ہمارا منتظر تھا۔ 1960 کی دہائی میں پروازی صاحب بھی جیدی کی انتہائی مصروف بزم میں آ گئے۔ حسنِ اتفاق سے میری شادی بھی تعلیم الاسلام کالج کے ایک لیکچرر کے ساتھ

ہوگئی۔ اب ہمارا سماجی، معاشرتی اور سیاسی ماحول ایک سا ہوگیا، روابط مزید گہرے ہو گئے۔ بچوں کی پیدائش، خوشیوں اور غموں میں ایک دوسرے کے گھر راتوں کو بھی قیام کرلیا کرتے۔ بچوں کی ایک دوسرے کے ساتھ خوب دوستیاں بڑھیں۔ ہر اہم کام میں مولوی صاحب سے مشورے اور دعائیں لی جاتی تھیں۔

اسی زمانے میں مولوی صاحب جامعہ احمدیہ کے کوارٹر نمبر ایک میں منتقل ہو گئے۔ یہاں تین کمرے تھے۔ ایک دروازہ جامعہ کی طرف اور دوسرا ریلوے لائن کی طرف کھلتا تھا۔ میں نے یہ دونوں دروازے کبھی بند نہیں دیکھے۔ جامعہ کے اردگرد چار دیواری کی وجہ سے جن خواتین کو اپنا گھر دور پڑتا، ان کے لئے مولوی صاحب کے گھر کا صحن شاہراہِ عام تھا۔

عین صحن کے درمیان پلنگ پوشوں سے ڈھکی دو چار پائیوں کے ساتھ چند کرسیاں رکھی رہتیں اور درمیان میں ایک چھوٹی سی میز، جس پر ساری ہانڈی کا سالن ڈونگے میں آ جاتا۔ روٹیاں پک کر آتی رہتیں۔ اس دسترخوان پر اکثر پانچ سے بیس تک مہمان کھانے والے ہوتے۔ عصر کی نماز کے بعد مولوی صاحب کے پاس کوئی نہ کوئی عورت اپنے نہایت نجی قسم کے جھگڑوں کی تفاصیل بیان کر رہی ہوتی۔ گھر سے باہر مردانے میں بھی یہی سلسلہ جاری رہتا، جبکہ گھر والے گردوپیش سے بے نیاز اپنی روزمرہ کی زندگی کو جاری رکھے رہتے۔ امی جی (جیدی کی امی) کا اگر کوئی زیادہ لاڈلا مہمان آجاتا تو چائے کے ساتھ برفی یا سیب ضرور منگوالیتیں۔ مولوی صاحب اور امی جی کے بہن بھائی ہوں یا دیہات سے علاج کی غرض سے آنے والے غیر از جماعت رشتہ دار، سب کو یہاں حتی الوسع آرام دہ سکونت ملتی۔ اگلی نسل کے بچوں کے رشتے یہاں طے پاتے۔ اور موت و حیات میں یہی گھر دیوانوں اور فرزانوں کی آماجگاہ بنا رہتا۔

آپ کبھی کبھار نہایت سادہ الفاظ میں کسی آیہ کریمہ کی تفسیر بھی کر دیا کرتے تھے۔ ایک دن گھر میں ملکی حالات کے خراب ہونے پر تبصرے ہو رہے تھے۔ تو مولوی صاحب نے فرمایا: "بچپن میں اس آیہ کریمہ کی سمجھ نہیں آیا کرتی تھی کہ جس نے ایک معصوم بے گناہ کو قتل کیا اس نے سارے لوگوں کو قتل کیا" اب سمجھ آئی ہے کہ ایک انسانی جان لینے کے بعد احترامِ انسانیت ختم ہو جاتا ہے۔

رمضان میں اگر زیادہ لوگ روزہ سے ہوتے تو گرم اور سرد مشروب اور اچھے کھانوں کا اہتمام ہوتا۔ اگر اکیلے مولوی صاحب کا روزہ ہوتا تو قطعی کوئی تکلف نہ ہوتا۔ مولوی صاحب کا معمول تھا کہ ٹھنڈے پانی کے دو چار گھونٹ پی کر نماز پڑھنے چلے جاتے، اور واپس آ کر کھانا کھاتے۔ ایک بار میں نے حیران ہو کر پوچھا "مولوی صاحب آپ کا روزہ تھا؟" آپ نے اچٹتی سی نگاہ ڈال کر کہا: "ہاں روزہ رکھ لیں پھر تو بوڑھے ہوجانا ہے"۔ ہماری چائے کی جمی ہوئی مجلس میں چائے پی کر نل پر دانت نکال کر دھوتے۔ اور کلی کر کے دوبارہ منہ میں لگا کر مسکراتے ہوئے کہتے: "لوگ کہتے ہیں چائے کے بعد ٹھنڈے پانی سے کلی نہیں کرنی چاہئے، دانت نکل جاتے ہیں۔ اسی لئے میں پہلے دانت نکال لیتا ہوں"۔ اور خاموشی سے ہمیں کچھ کہے بغیر نماز کے لئے چلے جاتے۔ ہمارے اندر کا ملامتی تیشہ اماری بت پر ٹھائیں ٹھائیں تراش خراش شروع کر دیتا، اور ہم اکثر کھسیانی سی ہو کر جہاں بیٹھی ہوئی ہوتیں وہیں نماز کی نیت کرلیتیں۔

غروبِ آفتاب کے ساتھ ہی مہمانوں کے سونے کا انتظام ہونا شروع ہو جاتا۔ گرمیوں میں سارا صحن چارپائیوں سے کچھا کچھ بھر جاتا۔ اگر کوئی مہمان جانے کا پروگرام بنانے لگتا تو امی جی اُسے "صرف چند دن اور" رکھنے کا اس طرح اصرار کرتیں کہ جیسے یہ نعمت پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گی۔ گرمیوں میں ایک درمیانی سی عام چارپائی جس کی پائینتی پر دری بچھی ہوتی اور اوڑھنے کے لئے ایک تہہ شدہ چادر اور ایک تکیہ ہوتا، مولوی صاحب عشاء کی نماز کے بعد آکر صحن میں شور وہنگامے سے بے نیاز سکون سے اس پر سو جاتے۔ کسی کو اپنے آرام کے لئے خاموش وغیرہ کرانے کا اس گھر میں رواج نہیں تھا۔ مولوی صاحب آنکھ کے آپریشن کے بعد بھی ایک چھوٹی حمائل شریف ہاتھ میں رکھتے، اور ہلکی آواز میں تلاوت کرتے رہتے۔ آپ اتنے انہاک سے کرسی پر بیٹھ کر مطالعہ کرتے کہ نو وارد کے لئے فیصلہ مشکل ہوتا کی آپ سو رہے ہیں کہ جاگ رہے ہیں۔ بیماری میں بھی آپکا یہی رویہ ہوتا۔

پروازی صاحب کے سویڈن اور آپ کے بڑے نواسے ماہر احمد کے لندن جانے کے بعد جیدی کی امی جان کی لمبی نازک علالت میں جیدی مجھے اکثر رات کے لئے روک لیتی۔ میری جب آنکھ کھلتی مولوی صاحب نفل ادا کر رہے ہوتے۔ تازہ دم ہونے کے لئے نل پر جا کر بار بار ٹھنڈے پانی سے وضو کرتے۔ یہ سلسلہ اتنا لمبا ہوتا کہ میں تھک کر سو جاتی۔ سردیوں میں گیس کے ہیٹر اور گرمیوں میں پنکھے کے نیچے مولوی صاحب کی چارپائی کے پاس ایک یا دو بلیاں ضرور بیٹھی ہوتیں۔ کتے کی اس گھر میں گنجائش نہ تھی بچارا کس کو اپنا اور کس کو غیر جانتا!

اس تین کمروں پر مشتمل حیرت کدہ میں مولوی صاحب کے سب بچوں نے وظیفے لئے اور اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ دو بچے ڈاکٹر بنے، پتہ نہیں ان کی کتابیں کہاں ہوتی تھیں اور یہ پڑھتے کہاں تھے؟ انہی کمروں میں مہمان ٹھہرتے اور انہی میں سب بچوں کی شادیاں ہوئیں۔

مولوی صاحب کا مزاح بہت مختصر اور ذو معنی ہوتا۔ایک بار فرمانے لگے: ربوہ کے Resident Magistrate ملنے آئے ہوئے تھے۔ایک احمدی دوست کے بارے میں پوچھنے لگے کہ "نماز پڑھتا ہے کہ نہیں؟" میں نے جواب دیا "ولی ولی را ای شناسد" (دراصل یہ صاحب خود بھی پابندِصوم وصلوٰۃ نہیں تھے)۔مولوی صاحب جواب دے گئے اور کسی کی پردہ دری بھی مناسب نہ سمجھی۔

عصر کی نماز اکثر ہمارے محلے کی مسجد الانوار میں پڑھتے اور بعد از نماز ہمارے گھر تشریف لاتے اور اچھی محفل رہتی۔ایک بار میرے کسی واقف کار نے ویزے کے سلسلے میں شو آف کرنے کے لئے مجھ سے کچھ رقم مانگی۔ہم سفید پوشوں کے ساتھ یہ بڑی مشکل ہوتی ہے کہ ہم اپنی اوقات چھپا کر رکھتے ہیں۔میرے پاس ذاتی طور پر اتنی رقم نہ تھی مگر کسی کی امانت میرے پاس موجود تھی۔اب میں پریشان کہ اگر دے دوں اور یہ واپس نہ کر سکے تو کیا کروں گی۔اچانک مولوی صاحب تشریف لے آئے۔میں نے ساری بات آپ کو بتا دی۔آپ نے رقم پوچھی اور چیک کاٹ دیا۔ہفتے عشرے میں رقم واپس مل گئی اور میری عزت بھی رہ گئی۔

میرے بیٹے محمد مسعود خان کا نکاح اسکی خواہش پر مولوی صاحب نے پڑھایا۔اسی دن شام کو ملنے چلے آئے،اور فرمایا: "میں دیکھنے آیا ہوں کہ نکاح میں نے پڑھایا تھا کہیں ٹوٹ نہ گیا ہو!" شادی کے لئے ہم نے بذریعہ ہوائی جہاز کراچی جانا تھا۔نماز فجر کے بعد مولوی صاحب بھی تشریف لے آئے۔میں نے کہا: "منہ اندھیرے تو آپ ایسے آئے ہیں،جیسے پلے رقم باندھ کر لائے ہوں"۔فرمانے لگے "تم مانگ کر تو دیکھو"۔ساتھ ہی کہا "مسعود کو اگر کینیڈا جانے کے لئے پیسوں کی ضرورت پڑی تو زمین بیچنے سے پہلے مجھ سے بات کر لینا"۔اللہ تعالیٰ کے خاص فضل اور آپ کی دعا سے کبھی ایسی ضرورت ہی نہیں پڑی۔مسعود کو کینیڈا جاتے وقت نصیحت کی قرضہ وغیرہ لیکر پڑھ لینا۔اگر چھوٹے موٹے کام سے پیسے کا چسکہ پڑ گیا تو پڑھ نہیں سکو گے۔اس بچے نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے مولوی صاحب کی اس نصیحت کو پلے باندھ لیا اور کینیڈا اور امریکہ کی یونیورسٹیوں سے C.P.U اور chartered accountant کی ڈگریاں حاصل کیں۔الحمدللہ

جب جیدی کی امی شدید بیماری کے باعث ہسپتال میں داخل تھیں۔میں حسبِ دستور ساتھ ٹھہری ہوئی تھی کہ ڈاکٹر میاں مبشر احمد صاحب راؤنڈ پر آئے۔میری طرف اشارہ کر کے مولوی صاحب سے پوچھنے لگے آپ کی آپس میں کیا رشتہ داری ہے؟ مولوی صاحب کچھ سوچ میں پڑ گئے۔ڈاکٹر صاحب دوبار "ہوں ہوں" کہہ کر مریضہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔مجھے تھوڑا سا برا لگا اور خفگی کا اظہار میرے چہرے سے ہو گیا۔مولوی صاحب اگلے دن ہی ملنے چلے آئے،اس وقت میری بڑی سمدھن بھی موجود تھیں۔مولوی صاحب انکو مخاطب کر کے کہنے لگے: "رشتہ داری پکی کر لی ہے،پتہ کر لیا ہے نا کہ رشیدہ کیسی ہے؟" انہوں نے جواب دیا: "جی بڑی اچھی ہیں"۔مولوی صاحب نے کہا: "ہاں اچھی ہے ذرا غصے والی ہے"۔اور ساتھ ہی ہسپتال والا سارا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ میں اسکا جیدہ کی سہیلی کے طور پر تعارف کراؤں،میں سوچ ہی رہا تھا کہ بھانجی کہوں یا بھتیجی؟ اور یہ ناراض ہی ہو گئی۔اور پھر ایک کہانی سنائی: دو دوستوں نے آپس میں ایک کچا دھاگہ پکڑ رکھا تھا،دھاگا کبھی ٹوٹتا نہ تھا۔لوگوں نے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا: جب ایک طرف سے کھچاؤ بڑھتا ہے تو دوسرا ڈھیلا کر دیتا ہے۔آج میں یہ کھچاؤ کم کرنے آیا ہوں۔مختلف وقتوں میں جب جیدی جاپان اور سویڈن چلی گئی تو بھی ہمارے روابط میں کوئی فرق نہ پڑا۔اپنے پیارے والدین کی وفات کے بعد مولوی صاحب کو دعا کا کہہ کر مجھے بڑی تسلی ہو جایا کرتی تھی۔

مولوی صاحب نے امی جی کی وفات کے بعد جب اپنے بیٹے ڈاکٹر مبشر احمد سلیم کے پاس لندن میں منتقل ہو جانا تھا،تو ہم سر شام ہی آپکو الوداع کہہ آئے۔دل کے اندر ایک عجیب طرح کی اداسی تھی۔اگلے دن صبح صبح جب میں اور شریف صاحب سیر کو نکل رہے تھے تو آپ تشریف لے آئے۔میں نے کہا: مولوی صاحب! آپ نے بڑا ہی اچھا کیا،ہم اُداس ہو رہے تھے۔مسکرا کر فرمانے لگے: ابھی تو میں جب مروں گا تو تم کو پتہ چلے گا۔۔۔۔! اور یہ ہماری آپ سے آخری ملاقات تھی۔

مولوی صاحب! میرا رحیم و کریم خدا آپکو اپنی خوشنودی کی بے حساب جنتیں عطا فرمائے۔اور جب آپکو اپنے وعدے کے مطابق اذن فرمائے کہ اپنے سے کم درجے والوں کو اپنے قریب بلا لیں۔تو یاد رکھئے گا! کہ آپکی معزز و مکرم بڑی بیٹی کی پکی سہیلی ابھی تک اس دوستی کے کچے دھاگے کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہے!!

یہ لوگ چمنستانِ مہدی موعود علیہ السلام کے ثمر اثمر تھے۔اے میرے خالق اور رحیم خدا،ہم کمزوروں کو بھی ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔آمین ثم آمین۔

{نوٹ: محترمہ پروفیسر رشیدہ تسنیم خان صاحبہ 23 اپریل کو فلاڈلفیا میں وفات پا گئی ہیں، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔خدا تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے،آمین۔}

☆......☆......☆......☆

ادنیٰ کنیز

ایک محترم بزرگ جو بہت پڑھے لکھے اور قابل شخص ہیں "الفضل" اور دیگر رسائل میں شائع ہونے والی اس عاجز کی نظمیں بڑے ذوق وشوق اور غور وفکر سے پڑھتے ہیں اور اکثر فون کر کے کچھ نہ کچھ تبصرہ اور تنقید بھی کرتے ہیں گزشتہ دنوں اُنہوں نے فون کر کے میری شاعری پر سخت تنقید کی اور فرمایا کہ کچھ عرصے سے آپ کی شاعری بہت یکسانیت کا شکار ہوگئی ہے۔ اور صرف جماعتی موضوعات تک محدود ہوگئی ہے آپ نے خود کو ایک ہی دائرے میں مقید کر لیا ہے لہٰذا آپ کے کلام کا لطف بالکل جاتا رہا ہے اور اس میں پھیکا پن آ گیا ہے، اس محدود دائرے سے ذرا باہر نکلیں، اپنی صلاحیتوں کو ضائع نہ کریں، اور موضوعات پر بھی لکھیں۔ جماعت سے باہر بھی ایک وسیع دنیا ہے وغیرہ وغیرہ ـــــ۔ اس عاجز نے اپنا نکتۂ نظر پیش کیا لیکن وہ اس سے متفق نہیں تھے، بہرحال اس منفی تنقید کا مُثبت اثر یہ ہوا کہ یہ نظم ہوگئی جس کو اُنہی محترم بزرگ کے نام کرتی ہوں۔

ارشاد عرشی ملک اسلام آباد پاکستان

arshimalik50@hotmail.com

آپ کہتے ہیں کہ پھیکی ہے تمہاری شاعری
ہر سطر ہر شعر میں مدح جماعت کی بھری
اور بھی موضوع ہیں دُنیا میں بہت اس کے سوا
ایک ہی سُر پر ہے کیوں اٹکی تمہاری بانسری

پڑھنے والوں کے لئے اس میں نیا کچھ بھی نہیں
اب تمہارے شعر پڑھنے میں مزہ کچھ بھی نہیں
نہ تو موضوعات میں جِدّت ہے نہ نُدرت کوئی
سچ اگر سن پاؤ تو اب ذائقہ کچھ بھی نہیں

عرض کی میں نے ادب سے اے بزرگِ محترم
آپ پڑھتے ہیں مجھے ہے آپ کا بے حد کرم
میں نے تو ہر ایک موضوع پر اٹھایا ہے قلم
اور خدا کے فضل نے رکھا سدا میرا بھرم

آپ کو شکوہ ہے کیوں محصور ہے میرا قلم
پھنس گیا ہے دین میں مجبور ہے میرا قلم
میں یہ کہتی ہوں کہ یہ میرے لئے اعزاز ہے
وقفِ دیں جب سے ہوا مغرور ہے میرا قلم

آپ کہتے ہیں کہ یہ محرومِ وسعت ہوگئی
شاعری جب سے مری وقفِ جماعت ہوگئی
میں یہ کہتی ہوں مجھے عہدِ بیعت بھولا نہیں
اس کے صدقے ہی خدا کی یہ عنایت ہوگئی

آپ کہتے ہیں کہ اک نکتے پہ کیوں میں ہوں اڑی
اس جماعت سے الگ بھی ایک دنیا ہے بڑی
ہاں اسی دنیا کو میں ٹھکرا کے آئی تھی یہاں
ورنہ وہ دنیا تو میری ٹھوکروں میں تھی پڑی

میری خوش بختی کہ مہدؑی کا زمانہ پا لیا
میں تو غافل تھی مجھے اس کے کرم نے آ لیا
اب اسی دربار کی کوئل ہوں ہر پل کوکتی
چھوڑیئے بھی آپ نے کافی مجھے سمجھا لیا

کس طرح اب میں گل وبلبل کے افسانے کہوں
مطلب ومقصد سے عاری شاعری کیوں کر کروں
چھوڑ کر پھیلا ہوا تازہ تجلّی کا جہاں
یونہی فرضی وادیوں میں کس لئے بھٹکا کروں

احمدیت کے لئے اب وقف ہے میرا قلم
ہاں خلافت کے لئے اب وقف ہے میرا قلم
کام ہے میرا مریدی پیر ہے میرا مسیحؑ
بس ارادت کے لئے اب وقف ہے میرا قلم

جان و مال اور وقت ہے سب کچھ خلافت پر نثار
کر چکے ہیں ہم خدا کے ساتھ یہ قول وقرار
یہ قلم کو تھامنے کی بھی جو طاقت ہے مجھے
اک امانت ہے جماعت کی' چکانا ہے ادھار

ہیں جماعت کے لئے اب محفلیں اور فرصتیں
ہیں جماعت کے لئے اب فرقتیں اور قربتیں
دل کو اب کچھ بھی جماعت کے سوا بھاتا نہیں
ہیں جماعت کے لئے جذبوں کی ساری شِدّتیں

کاش بھا جائے مرے مولا کو میری اک سطر
کاش کوئی حرف ہو اس کی نظر میں معتبر
کاش برگ و بار سے لد جائے عشق کا شجر
کاش ان شاخوں سے اتریں ہر گھڑی تازہ ثمر

ایک عاجز کی دعا سن لے مرے ربِ حفیظ
رہنمائی کر ہماری ، خیر و شر میں دے تمیز
تجھ کو میں کر کے گواہ ، کہتی ہوں اے ربِ حفیظ
میں کہ دربارِ خلافت کی ہوں اِک ادنیٰ کنیز

ستارۂ سحری

ناصر احمد سید

حسین دَور ہے یہ دَور ہے خلافت کا
چراغ لے کے چلے ہم تری اطاعت کا

کسی بھی بادِ مخالف کا خوف ہم کو نہیں
ہماری پُشت پہ ہے ہاتھ اک امامت کا

جہاں بھی دیکھتے ہیں اس کو دیکھتے ہیں ہم
دراز سلسلہ ہے اس کی بادشاہت کا

وہ ابر بانٹنے آیا ہے خشک سالی میں
وہ اک ستارۂ سحری ہے سب کی قسمت کا

وہی بہار ہے ہر ایک آشیانے کی
وہی مدار ہے ہر ایک دل کی چاہت کا

کہاں پہ جائیں گے یہ لوگ تم کو ٹھکرا کر
ہے تیرے پاس ہی تو کیمیا محبت کا

خدا کا ایک ہی یہ فضل ہم پہ کافی ہے
کہ ہم کو شرف ہے حاصل تمہاری بیعت کا

تمہارے چاہنے والوں کی خیر ہو جگ میں
جہان پھیلتا جائے یہ احمدیت کا

خدا اور رسول اللہ ﷺ کا عاشق۔ میرا عظیم باپ

مسعود احمد خورشید صاحب سنوری

مبارکہ وسیم

ابّا جان کو ہم سے جدا ہوئے چند دن ہوئے ہیں۔ کبھی یوں لگتا ہے جیسے مدتیں بیت گئیں اور کبھی ایسا لگتا ہے جیسے ابھی ابھی وہ یہاں موجود تھے۔

اپنے پیارے خدا کی یاد میں محو ہر لمحہ۔ رسول پر درود بھیجنے والے۔ خاکساری اور انکساری کا مجسمہ۔ انسانیت کے جذبے سے لبریز، مالی اور جانی دونوں طرح سے قربانی کرنے والے۔ جان۔ مال۔ وقت اور اولاد کو قربان کرنے کا عہد اُنہوں نے واقعی پورا کر دکھایا۔

میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اُنہیں تہجد اور پانچوں وقت کی نماز وقت پر پڑھتے ہوئے پایا۔ نماز باجماعت کا بھی بے حد التزام کرتے تھے۔ گھر میں جب بھی کوئی تقریب ہوتی کہتے مہمانوں کے آنے سے پہلے نماز پڑھ لو۔ کراچی اپنے دفتر کے اردگرد کے احمدی احباب کو دفتر میں جمع کر کے نماز با جماعت ادا کرتے تھے۔ اس بات کے گواہ ابھی بھی بہت سے لوگ مختلف ملکوں میں موجود ہیں۔

جماعت کی جانی اور مالی امداد کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ کراچی میں ہمارے بچپن سے اُن کے پاس خدمتِ خلق کا عہدہ تھا۔ اور وہ لوگوں کو ملازمتیں دلواتے تھے۔

ابا جان ایران کے ساتھ بزنس کرتے تھے۔ اور اُنکا کلیرنگ اینڈ فارورڈنگ کا دفتر کھوری گارڈن کراچی میں تھا۔ لہذا کئی لوگوں کو انہوں نے ٹائپنگ بھی سکھائی۔ اور اپنے پاس ملازم بھی رکھا۔ ہمیں بتایا کرتے تھے کہ فون کرنا مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے سکھایا۔ سلسلے کی جب بھی کوئی کتاب چھپتی وہ اسے زیادہ تعداد میں خریدتے احمدی دوستوں اور بعض غیر احمدی احباب کو بھی دیتے۔ روحانی خزائن کے سیٹ اُنہوں نے بیرونِ ملک لائبریریوں کو بھی بھجوائے۔ کراچی کے گھر میں الماریاں کتابوں سے بھری ہوئی تھیں۔ میں نے کئی مرتبہ اُن کے انڈیکس بنائے تا کہ کتابیں تلاش کرنے میں آسانی رہے۔

قرآن کریم سے محبت

اپنے امریکہ قیام کے دوران غیر مسلموں کو کثرت سے قرآن شریف دیا کرتے تھے۔ لجنہ میں تبلیغ کرنے والی خواتین سے میرے ذریعے دریافت کرتے رہتے تھے کہ غیر مسلم خواتین کو دینے کے لئے اور کتنے قرآن شریف درکار ہیں تا کہ میں سینٹر سے اور منگوا دوں۔ جن ٹیکسیوں میں سفر کرتے تھے اُن میں سے مسلمان ڈرائیوروں کو بھی قرآن پاک دیتے تھے۔ جارجیا جماعت کے جن بچوں کی بھی آمین ہوتی تھی۔ اُسے تحفے میں قرآن مجید دیتے تھے۔ ویسے بھی ہر خاندان کے ایک بچے کو قرآن پاک کا تحفہ دیا۔ ہم جب تک چھوٹے تھے۔ ہر چھٹی کے دن ہمیں خود قرآن مجید پڑھاتے تھے۔

کراچی قیام کے دوران اپنے دفتر آتے جاتے وقت کار میں ہمیشہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہتے تھے کیونکہ کار ڈرائیور چلا رہا ہوتا تھا۔ صبح نماز کے بعد ہمیشہ تلاوت کے عادی تھے۔ صبح جب ہماری آنکھ کھلتی تھی تو وہ نہایت خوش الحانی سے قرآن شریف کی تلاوت کر رہے ہوتے تھے۔

آپ نے آخری دو سالوں میں دن کا زیادہ وقت قرآن شریف پڑھتے یا سنتے گزرا۔ Laptop اسی لئے خریدا کہ کمرے میں تلاوت سن سکیں۔ مجھے بتاتے تھے کہ ہمارے دادا جان مولوی محمد موسیٰ صاحبؓ نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ دیکھنا میرے بعد گھر میں ہمیشہ قرآن پاک کھلا رہے، یعنی ہر روز اُسکی تلاوت ہوتی رہے۔ ابّا جان تلاوت ختم کرنے کے بعد ہمیشہ قرآنِ کریم کو بوسہ دیکر بند کیا کرتے تھے۔

قرآن مجید ہر روز بلکہ دن میں کئی مرتبہ پڑھتے تھے، اس لئے بہت سی سورتیں اور آیات زبانی یاد تھیں، جن کا حوالہ اپنی گفتگو میں دیا کرتے تھے اور حافظہ اچھا ہونے کی وجہ سے اُنہیں وہ آیات ہر وقت یاد آ جاتی تھی۔ CCU میں بھی اُنہوں نے میرے بہن بھائیوں کو کفر کے بارے میں آیت بتائی نہ صرف بتائی بلکہ پڑھ کر سنائی۔ بہت ساری سورتیں اور قرآن شریف کا کافی سارا حصّہ زبانی یاد تھا۔ جسے نمازوں

میں پڑھا کرتے تھے۔

دو سال قبل جامعہ احمدیہ ربوہ کے 100 طلباء کو قرآن مجید تحفے کے طور پر بھجوائے۔ میرے بہنوئی قمر احمد صاحب آف کراچی جب بھی اپنے غیر احمدی دوستوں کو ربوہ دکھانے کے لئے لے کر جاتے تھے کیونکہ وہ زیر تبلیغ بھی ہوتے تھے تو ابا جان بھائی جان صفی الرحمان صاحب آف ربوہ کو پہلے سے فون پر کہہ دیتے تھے کہ ان سب کو میرے طرف سے قرآن پاک تحفے میں دے دینا۔ اور میرے حساب میں سے ان کی دعوت بھی ضرور کرنا۔

2005ء میں آپ نے قرآن کریم کے 200 نسخہ جات ہندوستان کی احمدیہ لائبریریوں میں رکھوانے کیلئے 1100 پاؤنڈ کا چیک لندن مرکز کو دیا۔

ابا جان اکثر مرکز سے قرآن کریم منگوا کر تقسیم کرتے رہتے تھے۔ اسکی ایک مثال یہ ہے کہ نومبر 2009ء میں ابا جان نے 17 (سترہ) قرآن شریف تقسیم کرنے کے لئے دیئے اور جولائی 2009ء میں 10 قرآن شریف تہمینہ نامی خاتون کو بھجوائے تا کہ سیمینار میں تقسیم کر دے۔ 60 کی دہائی میں جب ہم پی ای سی ایچ ایس سوسائٹی میں رہتے تھے تو سارا رمضان مولانا عبدالمالک خان صاحب کو کار بھیج کر بلواتے تھے اور اپنے گھر قرآن شریف کے ایک سپارے کا درس دلواتے تھے۔ اُن کے کراچی سے تشریف لے جانے کے بعد عطاء الرحمان طاہر صاحب ابن مولانا ابو العطا جالندھری صاحب اور ابا جان خود بھی دس سپاروں کا درس دیتے رہے۔

تعلیم

ابا جان نے ابتدائی تعلیم سنور سے اور پھر میٹرک قادیان سے کیا۔ ادیب عالم اور ادیب فاضل کے امتحان شادی کے بعد دیئے۔ کیونکہ اُنیس سال کی عمر میں ابا جان کی شادی ہو گئی تھی۔

فارسی لکھنا پڑھنا بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے بہت سے فارسی شعر یاد تھے۔ جنہیں دعائیہ انداز میں پڑھتے رہتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے 35-30 سال ایرانیوں کے ساتھ تجارت کی تھی۔ لہذا گفت وشنید بھی اچھی طرح کرتے تھے۔ انگلش تو آجکل کے بی۔اے، ایم۔اے کے برابر کی جانتے تھے۔

ذہانت

ابا جان کی پیدائش سے قبل حضرت مولوی عبداللہ سنوریؓ صاحب نے خواب میں دیکھا تھا کہ قدرت اللہ کو ایک عالی دماغ لڑکا دیا جائیگا۔

اس بشارت اور پیشگوئی کے مطابق ابا جان کی یادداشت آخر وقت تک بہت شاندار تھی۔ حافظہ غضب کا تھا۔ اپنے آٹھ بچوں کے فون نمبر جماعت کے صدر صاحب، سیکرٹری مال کئی اور عہدہ داروں، حضور کے پرائیوٹ سیکرٹری اور بہت سارے عزیز رشتے داروں اور دوستوں کے فون نمبر زبانی یاد تھے۔

ابتدائی دینی تعلیم اپنے والدین سے پھر قادیان میں اپنی پھوپھی اختر النساء صاحبہ اور پھوپھا منشی نور محمد صاحب صحابی حضرت مسیح موعودؑ، خلفاء حضرت مسیح موعودؑ کے خطابات اور خطبوں، علماء کے خطابات، کتابوں اور الفضل کا مطالعہ کر کے حاصل کی۔ کراچی میں کچھ عرصہ ایک مربی صاحب سے قرآن کریم کا ترجمہ بھی پڑھا، الفضل اخبار، اور جماعت کا ہر رسالہ بھی بڑے ذوق وشوق سے باقاعدگی سے منگواتے تھے۔

جماعت کی خدمت

جماعت کا کام کرنے کے لئے ہر وقت، ہر لحہ تن من دھن سے تیار رہتے۔ اجلاس اور جلسوں میں بہت ذوق وشوق سے حصّہ لیتے تھے۔ 85 سال کی عمر تک جماعت کی میٹنگ میں یا تلاوت کرتے تھے یا تقریر کرتے تھے۔ لکھنے کی عمدہ صلاحیت تھی۔ اعلیٰ پائے کے مضامین لکھتے تھے۔ امی کو، بیٹوں کو، پوتیوں کو بھی مختلف اسلامی عنوانات پر تقریریں لکھ دیا کرتے تھے۔ مثلاً سیرۃ النبی ﷺ، معاشرے میں عورت کا مقام، رحمتہ اللعالمین، یوم مسیح موعودؑ اور یوم مصلح موعود اور خلافت ڈے کے لئے مضامین۔ جماعت کے اجلاس میں جانے کے لئے پندرہ، بیس منٹ پہلے سے تیار ہو کر بیٹھ جاتے تھے۔ اور دعائیں پڑھنا شروع کر دیتے تھے۔ 24 فروری 2008ء کو ابا جان نیمسجد بیت الباقی، اٹلانٹا۔ جارجیا میں سیرت حضرت مصلح موعودؓ پر تقریر کی تھی۔ ابا جان نے جماعت کی خدمت خود بھی کی بچپن سے۔ اور ہماری امی کی بھی ہر طرح کی مدد کی تا کہ وہ جماعت کے کام احسن رنگ میں سر انجام دے سکیں۔ اُنہیں خانساماں رکھ کر دیا تا کہ باورچی خانے کے کام میں آسانی رہے۔ کراچی۔ بارہ۔ پندرہ سال ہر پیر کو امی کو لجنہ کے دفتر میں کام کرنے کے لئے احمدیہ ہال چھوڑتے تھے۔ پھر ڈرائیور دوپہر کو اُنکو واپس لاتا تھا۔ پی ای سی ایچ سوسائٹی میں جماعت کا سینٹر نہ ہونے کی وجہ سے اپنا گھر جماعت کو پیش کیا ہوا تھا لہٰذا ہر تنظیم کے اجلاس ہمارے گھر ہوتے تھے۔ یعنی لجنہ، خدام، ناصرات اور اطفال کے فجر اور مغرب کی نماز تو تقریباً ستائیس سال ہمارے گھر ہوتی رہی۔

جوانی میں وقف عارضی کیلئے جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ نبی سر روڈ دو ہفتے

کیلئے وقف عارضی کیا۔ وہاں جماعت نے ہمیں رہنے کیلئے ایک کچا سکول دیا۔ جہاں گرمی کے علاوہ دوپہر کو مکھیاں بہت تنگ کرتی تھیں اور سونے نہیں دیتی تھیں۔ آپا صادقہ کی شادی ہو چکی تھی۔ بھائی جان حمید انور لنڈن چلے گئے تھے۔ منیر احمد اور کریم احمد کو دادا جان کوئٹہ اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ لہٰذا میں اور ایک بھائی ساتھ تھے۔ امی خود کھانا پکاتی تھیں۔ وہ بشیر آباد اسٹیٹ تھی۔ جہاں ابا جان بھجوائے گئے تھے۔ وہاں سبزی میں صرف ٹینڈے ملتے تھے۔ آموں کے باغ تھے۔ جن کے درخت آموں سے لدے ہوئے تھے۔ آموں کی ٹہنیاں بوجھ سے زمین کے بہت قریب پہنچ جاتی تھیں۔ لہٰذا ہم ہر دوسرے روز ٹینڈے (کدو کی ایک قسم) کھاتے تھے۔ وہاں ابا جان نے صبر و شکر کے ساتھ وقت گزارا۔ اور جماعت سے کسی بہتر رہائش کا مطالبہ نہیں کیا۔

دوسری دفعہ ابا جان نے مع فیملی کے 1967ء میں وقف عارضی کیا۔ اور مانسہرہ گئے 2 ہفتے کیلئے۔ مجھے وہاں چشمے کے ٹھنڈے پانی سے نہانے کی وجہ سے نمونیہ ہو گیا تھا۔ ابا جان نے مجھے پنڈی سے بائی ایئر کراچی ڈاکٹر محمودہ نذیر صاحبہ کے پاس بھجوا دیا۔ اور خود اپنا وقف پورا کر کے کراچی واپس آئے۔ تب تک میں بھی ہاسپٹل سے صحت یاب ہو کر گھر واپس آ گئی۔

اُنکی یہ بھی تمنا اور شوق تھا کہ میری ساری اولاد دین کا کام کرے۔ ایک دفعہ ایران سے آنے کے بعد غالباً 1980ء میں۔ میں نے یہ پروگرام بنایا کہ میں مونٹسوری سکول (نرسری سکول) میں پڑھانے کی تربیت کے لئے ایک سال کا کورس کروں، ابا جان کو پتہ چلا تو مجھے کمرے میں بلایا یا غالباً میں نے خود جاتے ہوئے بتایا۔ کہنے لگے ٹرینگ کے بعد تم نوکری کرو گی؟ یہ مجھے پسند نہیں۔ اگر تمہارے پاس وقت ہے تو لجنہ کا کام کرو۔ احمدیہ ہال لجنہ کے دفتر جایا کرو۔ لہذا میں نے اُنکے حکم کے مطابق دوبارہ لجنہ کا کام شروع کر دیا۔ جو اب تک جاری ہے۔ یعنی اللہ کے فضل سے اسکی توفیق پا رہی ہوں۔ خود بھی یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔ اور ہمیں بھی کہا کرتے تھے کہ پڑھا کرو۔

''دے ہمیں توفیق، ہم خدمت کریں اسلام کی''۔

آپا صادقہ۔ حامدہ۔ نصیرہ۔ بھابی بشریٰ۔ فرح۔ امانی اور مروہ نیز طیبہ کے بارے میں جماعت کا کام کرنے کا سن کر بہت خوش ہوتے تھے۔ اور دعائیں دیتے تھے۔ منیر بھائی، شجر بھائی، ندیم کرامت، خالد کرامت اور قمر بھائی کی خدمات کا تذکرہ بہت محبت اور دعاؤں کے ساتھ کرتے تھے۔

جماعت کی کتابیں لائبریریوں میں رکھواتے تھے۔ یہاں جارجیا میں کئی کانگرس مینوں اور سینیٹرز کو حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب اسلامی اصول کی فلاسفی کا انگلش ایڈیشن ڈاک کے ذریعے بھیجا۔ اسکی ایک مثال اپنی ڈائری میں نظر آئی کہ سات نومبر 2008ء کو ابّا جان نے 12 کتابیں Philosphy of the Teachings of Islam اور 12 Jihad and World Peace امریکہ کے مختلف شہروں میں اور ایک کینیڈا بھیجی۔ ان کے ایڈریس لوگوں نے بذریعہ E.mail بھجوائے تھے۔ یعنی لوگوں نے خود مانگیں تھیں۔ یہاں امریکہ میں الفضل انٹرنیشنل اور Review of Religions بھی لگوایا ہوا تھا۔

ابّا جان نے خود بھی حج کر کے آنے کے بعد حج کے حالات، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے بارے میں تفصیلی معلومات اور حج کے احکامات کے بارے میں ایک کتاب تحریر کی تھی۔

پھر اپنے پیارے آقا سید و مولا جن پر آپ دل و جان سے قربان ہوئے جاتے تھے کی پاک سیرۃ پر ایک مقالہ لکھا تھا۔ یعنی انصار اللہ پاکستان کے زیر اہتمام ایک انعامی مقابلہ تھا۔ اس میں آپکا مقالہ اوّل قرار پایا۔ لہٰذا 2007ء میں آپ نے اسے کتابی شکل میں طبع کروایا اور ساری کتابیں مفت تقسیم کیں۔ کینیڈا بھی بھجیں اور لنڈن میں بھی تقسیم کروائیں۔

وقت کی پابندی

اپنے کاروباری مذہبی اور گھریلو معاملات میں نظم و ضبط اور وقت کی پابندی بہت کرتے تھے۔ ہمیشہ پہلے پلاننگ کرتے تھے ہر کام کی۔ بچپن سے میں نے دیکھا کہ وہ اگلے دن کرنے والے کام رات کو لکھ کر رکھ لیتے تھے۔

نماز جمعہ کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ 84 سال کی عمر تک جمعہ کے لئے مسجد جاتے رہے۔ فلوریڈا میں ایک جگہ جب وہ بھائی سے دور رہ رہے تھے تو امی۔ ابّا دونوں دو ٹرینیں بدل کر جمعہ کی نماز کے لئے جایا کرتے تھے۔ پھر جمعہ کی نماز اپنے گھر کروانی شروع کر دی تھی۔ چندے بہت باقاعدگی سے اور اوّل وقت میں دیا کرتے تھے۔ وصیت کا چندہ سال کا پیشگی ادا کرتے تھے۔ صرف اس سال جولائی میں چھ ماہ کا پیشگی ادا کیا اور دو ماہ بعد اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ تحریک جدید کا 600 ڈالر چندہ دیتے تھے۔ اور اپنے 13 بزرگوں کی طرف سے بھی۔ یعنی پڑ دادا حضرت مولوی محمد عیسیٰ صاحبؓ کی طرف سے اور اپنے دادا، دادی، پھوپھا، پھوپھی، نانا، نانی، امی، ابا، ساس، سسر، اپنے پھوپھا کی پہلی بیوی، نانی الٰہیہ بی بی صاحبہ کی اور ہماری امی کی طرف سے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا ایک الہام ہے کہ قدرت اللہ کی بیوی روپوں کی ایک ڈھیری پیش کرتی ہے۔ جس میں ایک لکڑی بھی ہے۔ اس الہام کو لفظی طور پر پورا کرنے کیلئے ابا جان نے اپنی والدہ کو جو مولوی قدرت اللہ صاحب کی بیوی تھیں۔ 3 نومبر

1957ءکو دو ہزار روپے کے سکے ڈھیری کی صورت میں پیش کرنے کیلئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں بھیجا۔انہوں نے یہ نذرانہ پیش کیا۔

(حوالہ ۔الفرقان ۔ماہ دسمبر 1957ء صفحہ نمبر 27)

پھر 2005ء میں جب اس الہام کو سو سال پورے ہوئے تو پھر 1500 پاؤنڈز کو سکوں کی شکل میں ایک ڈھیری کی صورت میں اپنے بارہ سے زیادہ عزیز و اقارب کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پیش کیا۔

ابا جان کی اولاد میں سے اس وقت آپا صادقہ کرامت صاحبہ، بھائی جان حمید انور۔حامدہ فاروقی ۔بشریٰ حمید انور۔فرح مجید سنوری۔خولہ کرامت۔امانی عودہ۔مروہ وغیرہ ساتھ تھے۔

جب ابا جان کراچی آئے تو 33 سال کے تھے اور انکے آٹھ بچے تھے۔ایران کے ساتھ بزنس کرتے تھے۔ بزنس مین کا دماغ تو اپنا بزنس ہونے کی وجہ سے کبھی بھی فارغ نہیں ہوتا ۔مگر ابا جان جماعتی کاموں کے علاوہ بچوں کی تربیت کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔اکثر مغرب کی ۔مگر عشاء کی نماز تو ضرور با جماعت پڑھاتے تھے۔اور چوتھی رکعت کے قیام میں یعنی رکوع کے بعد کھڑے ہوکر ہمیشہ 10-8 دعائیں ضرور پڑھا کرتے تھے۔ان سے سن سن کر ہمیں وہ دعائیں زبانی یاد ہوئیں۔اور آج تک کام آرہی ہیں۔انہوں نے نماز اور قرآن شریف کو باقاعدگی سے پڑھنے کا احساس اس طرح دلوں میں بٹھایا کہ اب نماز کا وقت قریب آنے پر ہم بہن بھائی بے چین ہو جاتے ہیں۔

ابا جان ہمیں سیر کیلئے چھٹی کے دن سمندر کے کنارے کلفٹن بھی لے جایا کرتے تھے۔کسی رشتے دار کی کراچی آمد پر ہاکس بے بھی جاتے تھے۔مگر وہاں بھی خواتین کے پردے اور باجماعت نماز کا ضرور خیال رکھتے تھے۔

بعد میں شام کی چائے یا رات کا کھانا لے کر ٹھٹھہ کی طرف بھی جایا کرتے تھے ۔چوکھنڈی ٹومبز (محمد بن قاسم کے زمانے کا قبرستان)۔بھنبھور۔موہن جو داڑو۔ہالیجی لیک ۔بھی ہمیں لے کر گئے ۔جب ہم لاہور رہتے تھے۔تو گرمیوں کے موسم میں ابا جان کوہ مری جو ایک ہل سٹیشن ہے اور چیڑ، نیز دیودار کے درختوں اور قدرتی چشموں کی وجہ سے ایک پر فضا مقام ہے وہاں سیزن کیلئے بنگلہ کرائے پر لے لیا کرتے تھے۔پھر امی کو اور ہم سب بچوں کو گرمیوں کی چھٹیوں کے لئے وہاں چھوڑ دیتے تھے۔خود ہر ہفتے آتے جاتے رہتے تھے۔اسکے ساتھ ہی ابا جان رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی یاد رکھتے تھے۔لہٰذا کبھی ماموں۔ممانی اور انکے بچے ساتھ ہوتے اور کبھی ہماری ربوہ والی پھوپھی جان حمیدہ صاحبہ اور کبھی پنڈی سے گزرتے ہوئے امی کی کزن خالہ اقبال بیگم صاحبہ کو ساتھ لے آتے تھے۔کراچی اپنے دفتر میں اپنے رشتہ داروں کو بھی ملازم رکھتے تھے۔

توکل علی اللہ

ابا جان توکل کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔جمعہ کے دن بھی نماز سے کافی پہلے اپنا دفتر بند کر کے مسجد روانہ ہو جاتے تھے۔اور بہت سالوں تک احمدیہ ہال کراچی میں جمعہ کی پہلی اذان دیا کرتے تھے۔

ہر سال جلسہ سالانہ کے لئے جایا کرتے تھے۔جماعت کی شوریٰ کے لئے بھی ربوہ جایا کرتے تھے۔جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ۔تین دفعہ قادیان بھی گئے ۔خلفاء کی وفات ۔افراد خاندان حضرت مسیح موعودؑ کی وفات ،اپنے خاندان کے بعض افراد کی وفات کے لئے بھی ربوہ جاتے رہے اور کبھی بزنس خراب ہونے یا کم ہونے کا خیال دل میں نہیں لائے۔

1993ء میں جب میں سعودی عرب سے واپس آگئی ۔ ڈاکٹر انوار صاحب کی وفات کے بعد تو گھر کے گیسٹ روم میں، میں نے اپنا ایک ٹی وی مع وی سی آر، ایک بہت قیمتی ریڈیو اور ایک کیسٹ پلیئر رکھ دیا۔ان دنوں ہم اُس بنگلے سے دوسرے مکان میں منتقل ہونے کی تیاریاں کر رہے تھے ۔تو ایک رات گھر میں چوری ہوگئی۔چور اُس گیسٹ روم میں سے ساری قیمتی اشیاء اُٹھا کر لے گئے۔

چند دن بعد ابا جان نے مجھ سے پوچھا کہ اندازاً کتنے کی چیزیں ہونگی۔میں نے کہا پچاس ہزار کی۔ابا جان ان دنوں میں گھر فروخت کر رہے تھے۔لہٰذا جب گھر فروخت ہوگیا تو ابا جان نے پچاس ہزار کا چیک پی ای سی ۔ایچ ایس کے سنٹر کے لئے دے دیا۔یہ بتا کر کہ ایک دفعہ سنور (انڈیا) میں ہمارے گھر میں چوری ہوگئی تھی۔چور سوائے بھینس کے گھر کی تمام اشیاء لے گئے تو ہمارے ابا جان حضرت مولوی قدرت اللہ سنوری صاحب نے وہ بھینس بھی فروخت کر کے رقم چندہ میں دے دی تھی۔تا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں تمام چیزوں کا بہترین نعم البدل دے۔

ابا جان کہتے تھے کہ جب ایک چیز کا ایک کام کا فیصلہ کر لیا۔تو اُسے کر گزرو۔اور اللہ پر توکل کرو۔وہ خود بہتر نتیجہ نکالے گا۔چاہے امتحان ہو۔بچے کی شادی کا معاملہ ہو۔مکان خریدنا ہو یا کاروبار ہو تو سو فیصد اللہ پر توکل کرتے تھے۔

داعی الی اللہ

ابا جان بہترین داعی الی اللہ تھے۔ہر وقت تبلیغ کے لئے تیار رہتے تھے۔گھر

میں جو بھی آتا۔جیسے کوئی ٹیلی فون والا۔بجلی والا۔ٹیکنیشن ۔پلمبر۔اُسے مسیح کی آمد کی خبر ضرور سنا دیتے۔ٹیکسی میں بیٹھتے،تو ڈرائیور کو تبلیغ کرتے۔ہاسپٹل جاتے تو نرس،ڈاکٹر، ٹیکنیشن کو فلائر دیتے اور بات کرنا شروع کرتے اور تبلیغ کرتے۔CCU میں بھی اپنے ایک میل نرس کو تبلیغ کرنی شروع کر دی تھی۔

2003ء میں باتھ روم میں پھسل جانے کی وجہ سے اباجان کی ایک کندھے کی ہڈی فریکچر ہوگئی تھی۔لہٰذا کئی دن تک اباجان کو بار بار ڈاکٹر کے پاس جانا پڑا۔تو اباجان اپنے ڈاکٹر کیلئے کتاب Welcome to Ahmadiyyat لے گئے۔ڈاکٹر پاکستانی مسلمان تھا۔وہ ہنس کر کہنے لگا۔آپ یہاں علاج کرانے آتے ہیں یا تبلیغ کرنے۔

جب خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ہومیوپیتھی کی کتاب کا انگلش ترجمہ بھی چھپ کر آ گیا۔تو اباجان نے اپنی جارجیا (امریکہ) کی جماعت کے سب ڈاکٹروں سے کہا کہ وہ پانچ پانچ کتابیں ضرور خریدیں اور اپنے واقف ڈاکٹروں کو دیں تاکہ اس طرح بھی جماعت کا تعارف ان تک پہنچے۔اپنے پانچوں ڈاکٹروں کو بھی اباجان نے ہومیو پیتھک کی کتاب دی اور ہمسایوں کو بھی دی۔

جب آنحضرتؐ کی سیرت پر کریم اللہ زیروی صاحب کی کتاب چھپ کر آئی۔تب بھی اباجان نے جماعت ممبرز کو فون کئے۔کہ وہ دس دس کتابیں خریدیں۔اور اپنے غیر از جماعت دوستوں کو دیں۔اباجان خود بھی تھوڑے تھوڑے عرصے بعد دس دس کتابیں منگواتے تھے۔احمدیوں اور غیر احمدی احباب کو دیتے تھے۔ایک غیر احمدی خاتون کو بذریعہ ڈاک بھی کتاب پاکستان بھجوائی۔لنڈن بھی کتابیں بھجوائیں۔

مہمان نوازی

اباجان بہت مہمان نواز تھے۔مہمان کی آمد پر بہت خوش ہوتے تھے۔ہمیشہ یہ خواہش ہوتی تھی کہ چائے،شربت کے علاوہ مہمان یا رشتے دار ضرور کھانا بھی کھا کر جائے۔رشتہ داروں ، بہن بھائیوں کو بہت محبت پیار کے ساتھ گھر میں ٹھہراتے تھے۔انکے بھائی بہن ہفتوں اور کبھی مہینوں بھی ٹھہرتے تھے۔ہمیشہ انکی خاطر مدارت اور دلداری کرتے تھے۔ربوہ سے جب بھی بڑے عہدے دار ۔حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان کے افراد کراچی تشریف لاتے۔تو اباجان ہمیشہ انکی دعوت کرتے۔حضور اقدس کے خاندان کے افراد 60اور 70 کی دہائی میں گرمیاں گزارنے آیا کرتے تھے۔لہٰذا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی بیگم حضرت مہر آپا صاحبہ۔حضرت چھوٹی آپا جان اُمِ متین صاحبہ۔حضرت مسیح موعودؑ کی صاحبزادیاں ،حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور حضرت نواب امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی صاحبزادیاں اور بعض بہوئیں جب کراچی تشریف لائیں تو امی ، اباجان انکی خدمت میں دعوت کی درخواست کرتے اور وہ ہمارے گھر تشریف لاتیں۔اور ہمیں خدمت کا موقعہ دیتیں۔ ۔ مربی صاحبان اور جماعت کے بڑے عہدداروں کو گھر پر بھی ضرور بلواتے تھے اور اُنکی دعوت کا اہتمام کرواتے تھے اور تحفے تحائف اُن کی خدمت میں پیش کرتے۔کراچی میں بھی جب گیسٹ ہاؤس نہیں تھا۔یعنی 70-60 کی دہائی میں تو اکثر مربیان بیرونِ ملک جانے سے پہلے یا کراچی آمد پر ہمارے گھر ٹھہرا کرتے تھے۔جن کے لئے گیسٹ روم ہمیشہ تیار ہوتا تھا۔مولانا جلال الدین شمس صاحب مولانا چوہدری محمد صدیق صاحب اور شیخ مبارک احمد صاحب مع فیملی کا آنا مجھے یاد ہے۔بعض دفعہ غیر ملکی مہمان بھی ہمارے گھر ٹھہرا کرتے تھے۔ان میں سے ماریشس سے آنے والی سوکیہ فیملی کی خواتین مجھے یاد ہیں۔

قصہ مختصر

اباجان کا دل کشادہ اور دسترخوان وسیع تھا۔اکرام ضیف ان کا محبوب مشغلہ تھا۔طبعیت کے سادہ اور مسکین۔جماعتی امور کے لئے اپنی جیب سے بادشاہوں کی طرح خرچ کرتے اور کہتے کہ اس کے عوض اللہ تعالیٰ کے مجھ پر اور میری اولاد پر بے پناہ فضل واحسان اور انعام واکرام ہیں:

اکثر حضرت مسیح موعودؑ کی یہ نظم

> ہے عجب میرے خدا میرے پہ احساں تیرا
> کس طرح شکر کروں اے میرے سلطاں تیرا

سنا کرتے تھے۔خداتعالیٰ نے اباجان کو قائدانہ صلاحیتیں دی ہوئی تھیں۔بڑے وسیع القلب،حوصلے والے، ہمدرد اور خدمت خلق کرنے والے وجود تھے۔کراچی کے ایک مستحق طالب علم کے بارے میں پتہ چلا کہ اُسے کمپیوٹر کی ضرورت ہے۔تو فوراً یہاں امریکہ سے اُسے رقم بھجوائی۔سلسلہ کے لٹریچر کا وسیع اور عمیق مطالعہ تھا۔خداتعالیٰ نے حافظہ کی دولت سے بے پناہ نوازا تھا۔تحریر بہت خوبصورت اور جامع تھی۔خطوط میں اپنے سفروں کا آنکھوں دیکھا حال تحریر کرتے تو مناظر کی یوں تصویر کھینچ دیتے کہ پڑھنے والے کو لگتا کہ وہ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

خاکساری اور انکساری کا مجسمہ تھے۔گھر میں کئی نوکر ہونے کے باوجود اپنے ذاتی کام اپنے ہاتھ سے کرنے کے عادی تھے۔اپنی پلیٹ ہمیشہ خود دھویا کرتے تھے۔اپنے جوتے ہمیشہ خود پالش کرتے تھے۔آخری عمر تک یعنی 86 سال کی عمر تک بھی۔

نوکر بیمار ہوتا تو کہتے کہ اسکا کھانا مجھے دو۔میں سرونٹ کواٹر میں دے آتا ہوں۔غریبوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔یہاں امریکہ میں بھی جماعت کے مستحق لوگوں کو تحفے اور عیدی کے بہانے رقمیں دیتے رہتے تھے۔دو چیک تو ایسی خواتین نے اُنکی

وفات کے بعد بینک سے کیش کروائے ہیں، اگست میں۔ میرے بتانے پر کہ ہیومینیٹی فرسٹ پاکستان کے سیلاب زدگان کی مدد کر رہی ہے، کہا کہ اُسے سو ڈالر کا چیک بھیج دو۔ وفات سے دو ہفتے قبل اپنی کسی خواب کے بنا پر کہا کہ ایک بیوہ عورت جس کے تین بچے ہیں اُسے دو سو ڈالر بھیج دو۔ رمضان المبارک کے شروع میں ہی معمول کے مطابق عیدیاں بھجوائیں۔ اپنے خاندان کے جو لوگ مالی لحاظ سے کمزور تھے۔ اُنکی بھی بہت خاموشی سے مالی مدد مستقل بنیادوں پر کیا کرتے تھے۔

الغرض آپ بہت ملنسار، غرباء کا خیال کرنے والے۔ اپنے پرائے کا درد رکھنے والے اور ہر دل عزیز انسان تھے۔ ہر شخص کو سلام کرنا، عزت واحترام سے پیش آنا ان کا وطیرہ تھا۔ سب رشتہ داروں، عزیزوں، دوستوں کو فون کر کے انکی خیریت دریافت کرتے رہتے، چاہے کوئی چھوٹا ہو یا بڑا۔ امی کے عزیزوں کا بھی خیال رکھتے تھے۔ اور انکے بھانجے، بھانجیوں، بھتیجے، بھتیجیوں کو بھی گاہے بگاہے فون کر کے اُنکی خیریت دریافت کرتے تھے۔ بلکہ اب امی کی وفات کے بعد بھی انکی رشتہ دار لڑکیوں کو عیدیاں بھجواتے تھے۔

خلیفہ وقت کی ہر تحریک پر فوراً لبیک کہتے تھے اور فوراً بڑھ چڑھ کر اُس میں حصہ لیتے اور جماعت کے دوسرے افراد کو بھی اُس میں حصہ لینے کی تلقین کرتے۔ اگر کوئی رشتہ دار لڑکا یا لڑکی کئی دن فون نہ کرتا تو خود کرتے۔ کوئی بھی پریشانی ہوتی تو خدا تعالیٰ کے حضور ہی رو رو کر اپنی درخواست پیش کرتے۔ ابا جان خود بھی پہلے ہر ہفتے اور اب پندرہ دن کے بعد دعا کیلئے حضور کو خط لکھتے۔ جماعت کے افراد اور بچوں کو بھی تحریک کرتے کہ وہ اپنے امتحانات اور ہر تکلیف اور پریشانی کیلئے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کو ضرور خط لکھیں۔ بعض لوگوں کی طرف سے خود بھی خط لکھ کر فیکس کرتے۔

ابا جان ہمارے خاندان اور جورجیا جماعت کیلئے دعاؤں کا ایک خزانہ تھے۔ غرض ابا جان کی خوبیاں کہاں تک بیان کروں کہ ؎

سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

ابا جان ہر کام اللہ کی رضا کے لئے کرتے تھے۔ کراچی قیام کے دوران میری شادی سے پہلے جب کسی فیملی کو شادی یا بچے کی پیدائش کے موقعہ پر تحفہ دینے کا ارادہ کرتے تو بتاتے کہ یہ دے دو۔ مثلاً سونے کی انگوٹھی یا ساڑھی، قیمتی جوڑا شادی کیلئے اور بچے کی پیدائش پر قیمتی تحفہ۔ میں اپنی نادانی کے باعث کہتی کہ انہوں نے تو ہمیں کم مالیت کا تحفہ دیا تھا۔ تو کہتے ہم نے اللہ کے واسطے دینا ہے۔ کسی کا بدلہ نہیں اُتارنا۔ میں ہنس کر کہتی۔ میں اُنہیں بتا دونگی کہ ابا جان نے آپکو یہ چیز اللہ واسطے دی ہے۔

ابا جان بہت اچھے باپ، بھائی، بیٹے، شوہر اور دوست تھے۔ ملازمین کے ساتھ بہت ملاطفت اور صلہ رحمی کا سلوک کرتے تھے۔ بیٹیوں کے ساتھ خصوصاً زیادہ شفقت روا رکھتے تھے۔ میں بھی اپنی ہر فرمائش ابا جان سے کرتی تھی۔ کیونکہ مجھے خیال ہوتا تھا کہ امی سے کہا تو شاید جواب مل جائے۔ یعنی انکار ہو جائے۔ ہر بیٹی کی پیدائش پر خوش ہوتے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت آئی ہے۔ چھٹی بیٹی کی پیدائش پر لڈوؤں کا ٹوکرا لائے تو گھر کی کسی عورت نے کہا کہ بیٹی کی پیدائش پر اتنے لڈو۔ ابا جان نے کہا کہ جو آئی ہے وہ اپنی قسمت کا کھائے گی۔ ہمیں کیا فکر۔

عورتوں کے حقوق کے بہت حامی تھے۔ جماعت میں اور خاندان جب کسی لڑکی پر اسکے شوہر کی زیادتی کا سنتے تو دکھی ہوتے۔ کہ بے چاری عورت اتنا کام کرتی ہے۔ بچے پیدا کرتی ہے۔ بچے پالتی ہے۔ سارا دن گھر کا کام کرتی ہے۔ مرد کی خدمت کرتی ہے۔ یہ شوہر اُن پر ایسی زیادتی کیوں کرتے ہیں؟

ای میل کا رواج ہونے سے پہلے عزیزوں۔ رشتے داروں کو نہایت باقاعدگی سے خطوط بھی لکھا کرتے تھے۔ میں جب ایران میں تھی۔ تو تب بھی ہمیشہ تقریباً ہر ہفتے مجھے خط لکھتے تھے۔ مگر ہمیشہ پہلے میرے شوہر ڈاکٹر انوار احمد صاحب مرحوم کو مخاطب کرتے تھے اور پھر مجھے۔ جب میں سعودی عرب گئی تو تب تو اتنی باقاعدگی سے خط بھیجتے تھے کہ ہر پیر کی دوپہر کو میں اپنی سیڑھیاں اُتر کر نیچے دروازے کے پاس جاتی تھی اور میری توقع کے عین مطابق ابا جان کا خط موجود ہوتا تھا۔

ابا جان ہر کام کی پلاننگ وقت سے پہلے کرنے کے عادی تھے۔ لہٰذا اپنا کفن بھی آٹھ سال پہلے امی سے بنوا کر رکھ لیا تھا۔ دوسرے شہر جاتے وقت وصیت کی فائل اور اپنا کفن ساتھ لے کر جاتے تھے۔ 23 ستمبر کو وفات ہوئی تھی مگر 3 اگست کو تمام بچوں اور عزیزوں کے نام خط لکھا کہ مجھے میری وفات کے بعد Maryland لے جا کر موصیان کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ وفات سے 2 ہفتے قبل مجھے کہا کہ میری چیک بک دو تا کہ میں کفن دفن کیلئے چیک لکھ دوں۔ اُنکے اپنے رب سے معاملات اتنے صاف تھے کہ اُنہیں وفات کا ذرا بھی خوف نہیں تھا۔ یوں جا رہے تھے جیسے کسی دوسرے شہر میں اپنا گھر بنوایا ہے اور اب وہاں Move ہو رہے ہیں۔

31 اگست کو جب ڈاکٹروں نے انکی شفایابی سے مایوسی کا اظہار کر دیا اور ہم اُنہیں CCU سے عام کمرے میں لے آئے۔ تو انگریزی بہت اچھی طرح سے سمجھنے کی وجہ سے ڈاکٹروں کی گفتگو سے سمجھ گئے تھے کہ اب انکا آخری وقت قریب ہے۔

اُس وقت وہ اپنے ایک ایک بچے سے گلے ملے۔ سب کو نصیحتیں کیں، کہ اللہ اور رسولؐ کا دامن تھامے رکھنا۔ تقویٰ پر قائم رہنا۔ جماعت اور خلیفہ وقت سے ہمیشہ تعلق رکھنا۔ نمازیں پڑھتے رہنا۔ اپنے نزدیک والوں کو تبلیغ کرتے رہنا۔ ہر روز قرآن

کی تلاوت کرنا۔ آپس میں مل جُل کر محبت سے رہنا۔ اسوقت بھی وہ اتنے مطمئن اور پُر سکون تھے جیسے انسان صرف چندمیل دور جار ہا ہو اور اپنے بچوں سے کہہ رہا ہو کہ گھر کا خیال رکھنا۔ آپس میں پیار ومحبت سے رہنا۔ میں ایک دو دن میں واپس آ جاؤں گا۔

پھر آخری ہفتے میں یہ بھی دریافت کیا کہ کیا سب انتظامات ہو گئے ہیں اور پھر یہ بھی کہا کہ سب انتظامات ہو جائیں گے اور پھر یہ انتظامات اتنے معجزانہ رنگ میں ہوئے کہ جمعرات کی صبح 4 بجے وفات ہوئی۔ جمعے کے دن صبح غسل دیا گیا۔ جس میں چاروں بیٹے اور دو پوتے بھی شریک ہوئے۔ جمعے کی نماز کے ساتھ نماز جنازہ، مسجد بیت الباقی اٹلانٹا جارجیا میں ادا کی گئی اور تین بجے وہاں سے ورجینیا Virginia کے لئے روانہ ہوئے۔ ہفتے کی صبح تین بجے واشنگٹن پہنچے۔ ظہر کی نماز کے ساتھ مسجد بیت الرحمان میں امریکہ کے مشنری انچارج۔ مولانا نسیم مہدی صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپکا ذکر خیر کیا۔ ایک گھنٹے کا سفر بذریعہ کار کر کے قبرستان۔ مقبرہ بیت السلام۔ Lake View پارک پہنچے اور چار بجے بعد دوپہر جھیل کے کنارے گھنے درختوں کی چھاؤں میں تدفین بھی اور آخری دعا بھی ہوگئی۔ حالانکہ کاغذات منظوری کے لئے پہلے واشنگٹن گئے۔ وصیت کی ادائیگی تو ابا جان نے جولائی میں یعنی سال شروع ہوتے ہی اگلے چھ ماہ کی پیشگی ادائیگی کردی تھی۔ 4 اگست کو انہوں نے مجھے کہا تھا کہ لگتا ہے اب میرا آخری وقت قریب لہٰذا انہوں نے کریم احمد اور مجید احمد کو فون کر کے کہا کہ مجھے ربوہ کی بجائے میری لینڈ (امریکہ) ہی لے جانا کیونکہ پاکستان کے حالات خراب ہیں اور بچوں کو پاکستان جانے میں بہت تکلیف ہوگی۔

اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

یہ ہو میں دیکھ لوں تقویٰ سبھی کا　　　جب آئے وقت میری واپسی کا

صابر شاکر

رزق کی فراوانی کے باوجود کھانے کے بارے میں بہت صابر وشاکر وجود تھے۔ جو بھی میز پر آتا۔ خوشی سے کھالیتے۔ مجھے نہیں یاد۔ کبھی انہوں نے کسی کھانے میں نقص نکالا ہو یا نمک کی کمی زیادتی کا شکوہ کیا ہو۔ بلکہ امی کے اور بہو، بیٹیوں کے کھانے کی تعریف کرتے تھے۔

میں جب اپنے ہوم اکنامکس کالج کے زمانے میں نت نئی ڈشیں بناتی تھی۔ تو بہت خوش ہوتے تھے۔ بھائی شرارت سے ہنستے یا ناک منہ چڑھاتے تو وہ تعریف کرتے کہ دیکھو میری بیٹی نے اتنی اچھی ڈش بنائی ہے۔

کھانا کھانے کیلئے ڈائننگ روم میں آجاتے تو بھی خاموشی سے بیٹھ کر انتظار کرتے رہتے۔ کبھی شور یا ڈانٹ ڈپٹ نہ کرتے۔ اب آخری سالوں میں بھی کم نمک۔ کم مرچوں اور کم آئل والے کھانے۔ بڑے آرام سے کھاتے تھے۔

بیوی سے حسن سلوک

امی سے بہت محبت کرتے تھے۔ بہت ہی اچھا سلوک کرتے تھے۔ امی کے جذبات کا بہت احترام کرتے تھے۔ اُنکی رائے کا بھی احترام کرتے تھے۔ اُنکی پسند، ناپسند کا اس طرح خیال رکھتے تھے۔ جیسے انسان گھر آئے ہوئے مہمان کا خیال کرتا ہے۔ امریکہ آنے کے بعد تقریباً ہر روز ہر بچے سے انکی بات کروانے کی کوشش کرتے تھے تا کہ وہ اُداس نہ ہوں۔ اُنہیں اس بات کا بہت احساس تھا کہ امی نے ہر طرح کے حالات میں ان کا ساتھ دیا تھا اور انکے والدین اور بہن بھائیوں کی ہمیشہ خدمت کی تھی اور بہت طریقے، سلیقے سے گھر چلایا اور پانچ بیٹیوں کی اور چار بیٹوں کی شادیاں کیں۔

اسی لئے ہمارے بعض رشتہ دار اور ڈاکٹر انوار احمد صاحب کہا کرتے تھے کہ میں نے اس گھر میں کبھی لڑائی نہیں دیکھی۔ امی ابا جان کا خیال رکھتی تھیں۔ انکے کھانے کا، انکے کپڑوں کا، اسی طرح ابا جان امی کو ہر طرح کی چیزیں لا کر اور منگوا کر دیتے تھے۔ اس میں قیمت اور پیسوں کا فکر نہیں کرتے تھے۔ امی کی دوائیوں کا۔ انکے کپڑوں کا۔ انکی خوراک کا، ابا جان کو فکر رہتی تھی کہ انکو گرمی نہ لگے۔ انکو سردی نہ لگے۔ اُنہیں امریکہ سے بار بار لندن بھی بھجواتے رہے۔ بچوں کی خوشیوں کے ہر موقعے پر کہا کرتے تھے۔ تمہاری امی۔ چودہ دفعہ لندن گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ میری امی کو بھی جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے (آمین) بہت مثالی خاتون تھیں۔ نیک۔ صالح۔ تہجد گزار۔ صلح پسند۔ خدا، رسولؐ اور خلفاء سے محبت کرنے والی۔ خاوند کی تابعدار۔ فرمانبردار۔ ایسے جیسے حضرت مسیح موعودؑ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ ایسے تابعدار ہیں جیسے نبض دل کی حرکت کی پیروی کرتی ہے۔

ابا جان اپنے اردگرد کے لوگوں کا، ہمسایوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ میں بھی چھ سال انکے ہمسائے میں رہی۔ لہٰذا مجھ پر تو کئی گنا زیادہ التفات کرتے تھے۔ جب بھی شاپنگ کے لئے جاتے۔ میرے لئے سٹرابیری کا ڈبہ بھی ضرور لاتے اور جب اناس کا ڈبہ کھولتے۔ آدھا میرے لئے رکھ دیتے۔ میری چھوٹی چھوٹی ضروریات کا خیال رکھتے۔ شام کو جب میں کام سے واپسی پر انکی ڈاک دینے جاتی۔ تب بھی امی سے کہتے۔ اسے فلاں چیز کھلاؤ۔ کیونکہ تھکی ہوئی آئی ہے۔ سالگرہ منانا انہیں پسند نہیں تھا۔ پوتے پوتیاں جب اپنی سالگرہ کا کیک انہیں کھانے کے لیے لاکر دیتے۔ تو کہتے پہلے اپنی امی سے پیسے لاؤ۔ میں چندے کی رسید کاٹ دوں۔ پھر کیک کا پیس کھاؤں گا۔

میں جب 62 سال کی ہوئی تو مجھے 62 ڈالر دیئے کہ یا تو چندے میں دے دو یا اپنے لئے تحفہ خرید لو۔ پچھلے سال جب میں نے مبارک باد دی کہ آپ 86 سال کے ہو گئے ہیں تو مجھے 100 ڈالر دیئے کہ میری والدہ صاحبہ کی طرف سے قادیان میں جو ہال لجنہ کی طرف بن رہا ہے اس میں دے دو۔

غرض ابا جان بہت اچھے انسان ۔ بہت اچھے اور پکے احمدی مسلمان تھے۔ بہت دعا گو۔ ہر لمحہ دعا کرنے والے تھے۔ امت مسلمہ کے لئے بھی دعائیں کرتے تھے۔ خلفاء کے لئے بھی اور جماعت کی ترقی کے لئے ہر نماز میں دعائیں کرتے تھے۔ اپنے بچوں کے لئے اپنی آئندہ نسلوں کے لئے دعائیں کرتے تھے کہا کرتے تھے کہ میں حضرت مولوی قدرت اللہ صاحب اور حضرت رحیمن بی بی صاحبہ کی ساری اولاد اور انکی آئندہ نسلوں کے لئے بھی دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ انکی تمام دعاؤں کو شرف قبولیت عطا فرمائے (آمین) اور ہمیں انکی تمام نیکیوں کا وارث بنائے۔ آمین

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے آقا محمد مصطفیٰ ؐ کے قرب میں جگہ دے۔ انہیں اپنی مغفرت کی چادر میں ڈھانپ لے۔ اعلیٰ علیین میں جگہ دے آمین۔ اور ہم ہمیشہ اپنے مولا اور اپنے پروردگار سے راضی رہیں۔ اور یہ ہی کہتے رہیں کہ

ہو فضل تیرا یارب یا کوئی ابتلا ہو
راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہو

کوئی عزیز، رشتے دار جماعت کا عہدے دار یا خاندان مسیح موعودؑ کا کوئی فرد فوت ہوتا تو ابا جان بہت جلد تعزیت کا خط لکھتے تھے۔ خاندان کا ہوتا تو حضور اقدس کو اور اس فرد کے رشتے داروں کو بھی خط بھجواتے۔ یہاں جماعت کے صدر صاحب کو بھی توجہ دلاتے کہ اپنی اور اپنی جماعت اور عاملہ کی طرف سے تعزیت کا خط لکھیں۔ خط کے آخر میں یہ شعر بھی لکھا کرتے تھے۔

اے خدا بر تربت او بارشِ رحمت ببار
داخلش کن از کمالِ فضل در بیت النعیم

☆......☆......☆......☆

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے فرمایا

''جو اللہ تعالیٰ نے نعمتیں دی ہیں۔ ان کو دیکھتے ہوئے اس کے شکر گزار بندے بنو۔ اور اس کے لئے اپنی زندگی گزارو خدا تعالیٰ نے بڑا احسان کیا ہے۔ کہ تمہیں دنیا پر اسلام کو غالب کرنے کیلئے چُنا ہے۔ اور یہ وعدہ دیا ہے کہ تمہارے ہاتھ سے وہ اسلام کو تمام ادیان باطلہ پر غالب اور فاتح کرے گا۔ کمزوریوں کی طرف کیوں دیکھتے ہو؟ خدا کے وعدوں کی طرف دیکھو شیطان اور شیطانی وساوس سے کیوں پیار کرتے ہو۔ ربّ اور اس کی رضا سے تعلق حاصل کرو۔

اللہ تعالیٰ سے میری یہ دعا ہے کہ ہمارے بچوں کو بھی اور بڑوں کو بھی اپنے فضل سے اچھا اور حقیقی احمدی بننے کی توفیق عطا کرے اور ان فیوض سے حصہ لینے والے ہوں جو ابدی فیوض محمد رسول اللہ ﷺ کو عطا کئے گئے آپ ؐ کے وجود سے جو چشمہ جاری ہوا ہے۔ وہ کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ خود بھی اپنے لئے اس پانی کو بند کر لیتے ہیں۔ اور خود کو اس سے محروم کرتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو دعاؤں کے ذریعہ، اگر ہم چاہیں تو درود کے ذریعہ، اگر ہم چاہیں تو حقیقی محبت اللہ کے محمد ﷺ کیلئے اپنے دلوں میں پیدا کر کے خدا کے مقرب اور محبوب بندے بن سکتے ہیں۔ آج دنیا خدا کو بھول چکی ہے۔ تمہیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس لئے کھڑا کیا ہے کہ دنیا کو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف واپس لوٹا کر لائیں۔ ایک بڑی بھاری ذمہ داری ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بڑی قربانیاں ہمیں دینی پڑیں گی۔ لیکن اس کے بدلے میں جن انعاموں کا ہمیں وعدہ دیا گیا ہے وہ اتنے عظیم ہیں کہ ہماری قربانیاں ان کے مقابلہ میں ہیچ بن جاتی ہیں۔ خدا کرے کہ ہم اور آپ سب ہی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اچھے اور حقیقی احمدی مسلمان بنے رہیں۔ اور شیطان کو شکست دینے والی جو پیشگوئیاں ہیں جو بشارتیں ہیں ان کے ہم وارث ہوں اور ہمیشہ ہی وہ ہمارا حافظ و ناصر ہو۔''

(حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا طلبہ سے خطاب بتاریخ 10 مئی 1968ء بمقام ایوانِ محمود ربوہ)

یاد۔ پیارے ماموں نعیم احمد وسیم صاحب کی وفات پر

مومنہ چودھری، ہالینڈ

ایک سانحہ ایسا ہوا کہ بس دم بخود ہی رہ گئے
قدم بھی نہ اُٹھ سکے بس ساکت جامد سے رہ گئے

ایک اک کرتے محفل سے یوں وہ رخصت ہوئے
مہماں جیسے چل پڑے، بس میزباں ہی رہ گئے

محبتوں کی کشمکش میں وہاں یہ کیسی جیت ہے
دعویدارانِ محبت یاں ہاتھ ملتے رہ گئے

خود ہی اک قصہ ہوا وہ' جو کہ تھا قصہ خواں
محوِ شوق گوش بس تشنہ لب سے ہو کر رہ گئے

وہ اک جوان' جانِ محفل اور راحتوں کی نوید
کیا وہ اب یادوں کا خزانہ بن کے رہ گئے؟

اے خدا فضل کر اور کر خود حفاظت اس چمن کے
ان سایہ سایہ پیڑوں کی جو تنہا تنہا رہ گئے

چند سوال

آپ نے محفل اک نئی جا سجائی، وہ کیسی لگی
بے بے کے قدموں میں بسائی جنت کیسی لگی

اباجی نے لی جو بڑھ کر بدھائی ، کیسی لگی
کیسے ملے، کیا کیا کہا، ان کی لمس کیسی لگی

بابا کی درویشی کا پھل چکھا ہوگا، کھایا ہوگا
کچھ ہم بھی سنیں اسکی مٹھاس اسکی لذّت کیسی لگی

یہاں سے بچھڑنا دیکھ چکے، وہاں پہ ملنا کیسا ہوگا
دیر سے بچھڑے بھائیوں کی یہ ملاقات کیسی لگی

بہنوں کی خوشی تو ہوتی تھی دید کے قابل
مگر اب کے جو ہوئی ان کی عید وہ کیسی لگی

دوست احباب بھی سارے آئے، چائے اور تواضع ہوئی
مجھے تو صرف یہ بتائیں لگی جوان سے گپ شپ کیسی لگی

ہم پہ کیا کیا بیت گئی؟ اس ذکر کو چھوڑیں اپنی کہیں
ہم سب سے ہوئے یوں جُدا، تو یہ جدائی کیسی لگی

بعد کی باتیں بعد میں ہوں گی پہلے تو یہ بتلایئے
یہ دنیا تو ایسی تھی، وہ دنیا کیسی لگی

میری ماں

عبدالسلام جمیل ۔ ہیوسٹن ٹیکساس

کیا کیا میں لکھوں کیا کیا تھی میری ماں
توحید کا پَرتَو تھی یکتا تھی میری ماں

میری عمرِ گریزاں کی بدلتی ہوئی رُت میں
بادل کہیں دھوپ کہیں سایا تھی میری ماں

مجھے احساس ہوا نہ کوئی تشنہ لبی کا
ساحل تھی میری پیاس تو دریا تھی میری ماں

میری عمرِ رواں کے تاریک دنوں میں
تُو چاند تُو سورج تُو ستارا تھی میری ماں

اپنے تو پھر اپنے تھے ' غیروں کیلئے بھی
پیار کی آغوش تھی حلیمہ تھی میری ماں

حالات کے منجھدار میں مجبور دلوں کو
پتوار تھی، ناؤ تھی، کنارا تھی میری ماں

اللہ پہ ایمان تھا، قرآن میں تری جاں
فردوس نشینوں کا استعارہ تھی میری ماں

محاسنِ دینی ہوں کہ شمائلِ دُنیا
عابدہ و زاہدہ و صالحہ تھی میری ماں

آیا نہ کبھی لب پہ کوئی حرفِ شکایت
ہر حال میں راضی بہ رضا تھی میری ماں

تنگی میں تُنک ظرف نہ آسائش پہ نازاں
صابرہ و شاکرہ و قانعہ تھی میری ماں

لمبی مسافت کے کرب ناک دنوں میں
بس اللہ کی مشیت پہ فِدا تھی میری ماں

سیلِ حوادث میں اک کوہِ گراں تھی
پیار کے گلشن میں صبا تھی میری ماں

کیا کیا میں لکھوں کیا کیا تھی میری ماں
محبت کا مسلسل اک دھارا تھی میری ماں

جتنا بھی کروں شُکرِ خُدا اتنا ہی کم ہے
اسکی مجھے سب سے حسیں عطاء تھی میری ماں

کب تک یونہی تکتے رہو گے راہِ مسیحا؟

خانم رفیعہ مجید، شکاگو ویسٹ

جاتی ہوئی خزاں کے اشاروں سے پوچھ لو
معصوم کونپلوں کے نظاروں سے پوچھ لو

ہم خاکِ پائے آلِ محمدؐ کے ہیں سفیر
شمس و قمر سے پوچھو ستاروں سے پوچھ لو

کیوں کانپ اُٹھے ارض و سماء عرش ہل گیا
شہدائے کربلا کے نظاروں سے پوچھ لو

نسلِ یزید آج بھی ہے دشمنانِ حق
ظلم و ستم کی چلتی تلواروں سے پوچھ لو

کس طور نہلائی ہے خوں سے مسجدِ لاہور
مسجد کے گنبدوں سے میناروں سے پوچھ لو

ہم ہیں وہی فرقہ جسے کردیں گے سب جُدا
فرمانِ مصطفیٰؐ ہے یہ ساروں سے پوچھ لو

گہنا دیئے جائیں گے جب شمس و قمر دونوں
نزولِ مسیح کے سارے اشاروں سے پوچھ لو

طاعوں بھی اک نشان تھا وہ بھی ہوا پورا
لاشوں کی اُٹھتی لمبی قطاروں سے پوچھ لو

کب تک یونہی تکتے رہو گے راہِ مسیحا؟
قرآن و احادیث کے پاروں سے پوچھ لو

نعت رسول مقبول ﷺ

جمیل الرحمٰن

آئی وجودِ عشق سے ہر دم صدا صلِّ علیٰ
یا ہے خدا ، یا ہے محمدؐ مصطفیٰ صلِّ علیٰ

وہؐ رحمتوں کا نغمہ گر، وہؐ حاصلِ شام و سحر
نجم الوریٰ، شمس الضّحیٰ صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ

وہؐ ایک لعلِ بے بہا ، گنجینۂ صبر و رضا
اُسؐ کے سوا کوئی نہیں ہے دلربا صلِّ علیٰ

راہِ لقائے یار بھی ، پیمانۂ کردار بھی
وہؐ آفتابِ دو جہاں، بدرالدّجیٰ ، صلِّ علیٰ

اُسؐ کے لئے عرش بریں، اُس کے لئے فرش زمیں
وہؐ باعثِ تکوین ہے عکسِ خدا صلِّ علیٰ

اُسؐ نے ہی بانٹے سب کے غم اُسؐ نے کیا سب پر کرم
اُسؐ کی گرہ میں تھی ہر اک دکھ کی دوا ، صلِّ علیٰ

شب زادگاں کی بات کیا ، تہمت لگاتی رات کیا
وہؐ صبح کی اُجلی ردا ، نُورِ ہُدیٰ ۔صلِّ علیٰ

اے زندگی ، اے زندہ تر ، سب قدسیوں میں معتبر
تجھؐ پر فدا ارض و سما۔ صلِّ علیٰ ، صلِّ علیٰ

دنیا کے اپنے زمزمے ، دنیا کے اپنے سلسلے
لیکن جمیل اپنے لئے عیشِ روا صلِّ علیٰ

ارشاد امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ

آپ نے درجِ ذیل قرآنی آیات

وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًاۙ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ؕ (النساء:119-120)

ترجمہ: اس نے کہا کہ میں تیرے بندوں میں سے ضرور ایک معین حصہ لوں گا۔ اور میں ضرور ان کو گمراہ کروں گا اور ضرور انہیں امیدیں دلاؤں گا اور ضرور انہیں حکم دوں گا تو وہ ضرور مویشیوں کے کانوں پر زخم لگائیں گے۔ اور میں ضرور انہیں حکم دونگا تو وہ ضرور اللہ کی تخلیق میں تغیر کر دیں گے۔ اور جس نے بھی اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنایا تو یقیناً اس نے کھلا کھلا نقصان اٹھایا۔

کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا:

’’گزشتہ زمانہ کے لوگ خدا تعالیٰ کی تخلیق میں تبدیلی لانے کے امکان کے بارہ میں تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ پچھ لگانا یا تھوڑی بہت سطحی تبدیلی کرنا ایک سادہ سا عمل ہے اور ہر زمانہ کے انسان کی دسترس میں رہا ہے۔ لیکن یہ امکان کہ انسان خدا تعالیٰ کی مخلوق میں بڑی بڑی تبدیلیاں لے آئے، زمانہء حال سے پہلے انسانی تصور سے بعید تھا۔ سائنسی علوم میں جینیاتی انجنیئرنگ کا آغاز صرف دس بیس سال پہلے ہوا ہے۔ لیکن اس کے باوجود سائنس کی یہ شاخ بڑی تیزی سے اس سمت بڑھ رہی ہے جس کے متعلق 1400 سال پہلے قرآن کریم نے واضح طور پر تنبیہ کر دی تھی۔ انسان نے ابھی سے تخلیق کے منصوبہ میں دخل اندازی شروع کر دی ہے اور بیکٹیریا اور حشرات کی سطح تک زندگی کو تبدیل کرنے میں کسی حد تک کامیاب بھی ہو گیا ہے لیکن چند قدم آگے تباہی اس کی منتظر ہے۔

بعض سائنسدانوں نے تو ابھی سے آنے والی تباہی سے خبردار کرنا شروع کر دیا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے اس میدان میں ہونے والے نت نئے تجربات کا رُخ پلٹ دینا ان کی بساط سے باہر دکھائی دے رہا ہے۔ بعض ان خطرات سے بچنے کیلئے مسلسل تنبیہ کر رہے ہیں لیکن بعض اس بات پر مصرّ ہیں کہ ہمیں اس میدان میں بھرپور ترقی کرنی چاہیئے تاکہ تخلیق کے رازوں سے پردہ اٹھایا جا سکے۔ انہیں یقین ہے کہ تکنیکی ترقیات انسان کے مستقبل کو روشن کر دیں گی۔۔۔

بہر حال جو کچھ بھی ہو، یہ بات انتہائی اہم ہے کہ سائنسدانوں کو خدائی تخلیق کے عظیم منصوبہ میں بے جا دخل اندازی کی کھلی چھٹی ہرگز نہیں دی جانی چاہیئے۔ انہیں تو شکر گزار ہونا چاہیئے کہ ابھی تک کوئی شدید حادثہ رونما نہیں ہوا۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو سراسر یہ ان کی اپنی ذمہ داری ہوگی۔ ہم دنیا کی حکومتوں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ جینیاتی انجنیئر نگ کے میدان میں ہونے والے تجربات کے رجحانات اور مکانات پر کڑی نگاہ رکھیں گی۔ کیونکہ ان تجربات کے نتیجہ میں عالمِ حیوانات میں نوع انسانی کی عزت اور وقار داؤ پر لگا ہوا ہے۔ ہم توقع رکھتے ہیں اور ہماری دعا ہے کہ نوع انسانی وہ دن دیکھنے سے محفوظ رہے جب اس کے اپنے ہی تخلیق کردہ ’’غلام‘‘ اس پر حکومت کرنے لگیں۔‘‘

(الہام عقل علم اور سچائی صفحات 547-550)

ارشاد امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

آپ نے فرمایا:

لیکن اصل چیز جو اس صدق و وفا کے تعلق کو جاری رکھنے والی ہے وہ آپ ﷺ کا پیغام ہے۔ اگر مسلمان اس پیغام کی حقیقت کو سمجھتے ہوں، اس خوبصورت پیغام کے پہنچانے کا حق ادا کرنے والے بن جائیں تو آج یہ حالات نہ ہوں۔ اگر وہ حقیقت میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پر عمل کر رہے ہوتے تو دشمن کا منہ خود بخود بند ہو جاتا۔ اور اگر مسلمانوں میں سے چند مفاد پرست قانون کی آڑ میں ناجائز فائدہ اٹھانے والے ہوتے بھی یا فائدہ اٹھانے کی کوشش بھی کرتے تو قانون ان کو مجرم بنا کر اس مفاد پرستی کی جڑ اُکھیڑ دیتا۔ لیکن یہ سب کام تقویٰ کے ہیں۔

پس مسلمان اگر ناموسِ رسالت کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہیں تو اس تقویٰ کو تلاش کریں جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم ہم میں پیدا کرنا چاہتے تھے۔ جماعت احمدیہ کی تاریخ میں غیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے واقعات بھرے پڑے ہیں۔ ایک خطبہ میں تو ان کا ذکر نہیں ہوسکتا۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ چند خطبوں میں بھی نہیں ہوسکتا۔ اگر ہم نے اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ہر قسم کے اعتراضوں اور استہزاء سے پاک کرنا ہے تو کسی قانون سے نہیں بلکہ دنیا کو آنحضرتؐ کے جھنڈے تلے لا کر کرنا ہے۔ کیونکہ حقیقت یہی ہے کہ دنیا کے فساد اس وقت ختم ہوں گے جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل تعلیم کو اپنے اوپر لاگو کریں گے اور دنیا کو آنحضرتؐ کے جھنڈے تلے لائیں گے۔ لیکن اگر صرف قانون بنا کر پھر اس قانون سے اپنے مفاد حاصل کر رہے ہوں گے تو ہم بھی توہینِ رسالت کے مرتکب ہو رہے ہوں گے۔ ورتمان رسالہ جو تھا جس کے بارے میں مَیں نے بیان کیا کہ خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس کے بارے میں لکھا اور مسلمانوں کو کہا کہ احتجاج کرو اور پھر ساری مسلم امت جو تھی وہ سراپا احتجاج بن گئی، مقدمے بھی چلے لیکن بہر حال آخر تبدیلی لانی پڑی اور مجرم کو سزا بھی ملی۔ جب اس کا فیصلہ ہو گیا تو اس کے فیصلے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ہی فرمایا اور بالکل صحیح فرمایا کہ: ''میرے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اس سے بالا ہے کہ کسی فرد یا جماعت کا قتل اس کی قیمت قرار دیا جائے۔ میرا آقا دنیا کو زندگی بخشنے آیا تھا نہ کہ ان کی جان نکالنے کے لئے''۔

(ماخوذ از تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 606 جدید ایڈیشن مطبوعہ ربوہ)

کاش کہ آج بھی ہر مسلمان یہ بات سمجھ جائے کہ اگر حقیقت میں کوئی فتنہ ہے تو قانون ظاہری فتنے کا علاج کرتا ہے، دل کا نہیں۔ اوّل تو یہی تحقیق نہیں ہوتی کہ فتنہ ہے بھی کہ نہیں؟ مسلمان کے لئے حقیقی خوشی اس وقت ہوگی اور ہونی چاہئے جب دنیا کے دلوں میں آنحضرتؐ کی محبت قائم ہو جائے گی۔ آج احمدیوں کا تو یہ فرض ہے ہی جس کے لئے ہمیں بھرپور کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر دوسرے مسلمان بھی سختی کے بجائے عفو اور پیار کا مظاہرہ کریں اور وہ نمونہ دکھائیں جو آنحضرتؐ نے دکھایا تو پھر یہی اسلام کی خدمت ہوگی۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ مورخہ 21/جنوری 2011ء)

ذکر رفیق کار

ڈاکٹر امتیاز چودھری

۶ مارچ ۲۰۱۱ء کو ہمارے پیارے اور متبسم رفیق کار نعیم احمد وسیم اللہ کو پیارے ہو گئے۔ میرے ساتھ ۱۵ سال سے زیادہ عرصہ تک بطور سیکرٹری مال جماعت احمدیہ نارتھ جرسی اور پھر جماعت احمدیہ سنٹرل جرسی خدمت کی توفیق پائی۔ مجھے یہ لکھنے میں بالکل شرح صدر اور یقین ہے کہ انکے دور میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ لازمی چندہ جات' چندہ عام اور وصیت اور جلسہ سالانہ میں Prorata collection میں کوئی منفی نشان ہو بلکہ شروع سال سے ہی خلوص' پیار اور محبت کے ساتھ سب سے چندہ وصول کر لیتے تھے۔ ان کا نام ہی چندہ ماموں پڑ گیا تھا اور وہ اس گراں قدر خطاب پر بہت خوش ہوتے۔ خوشخطی میں نمبر ایک تھے۔ چندہ کی فہرست نہایت صاف ستھری اور سلیقہ سے تیار کرتے اور سنبھال کر رکھتے تھے۔ بجٹ کی تیاری اور بجٹ بھجنے کا کام وقت پر کرتے تھے۔ منظور شدہ بجٹ نہایت ذمہ داری سے استعمال کرتے تھے۔ ۲۰۰۹ء میں تقریباً جان لیوا حادثہ کے بعد بھی مرکز کو آمد کا چیک کبھی بھی Bounce نہ ہوا۔ جب رو بصحت ہوئے تو پہلا سوال ہی یہ تھا کہ چندہ کیسے جمع ہو رہا ہے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے سر سے پاؤں تک اطاعت گزار تھے۔ خلافت پر از دل و جان فدا تھے اور بڑے فخر (برحق) سے اپنے بچوں کو سلسلہ عالیہ احمدیہ کی خدمت کی توفیق ملتے رہنے پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے۔ چند ایک دفع میں ناراض بھی ہوا کہ آپ نے چندہ جات کی فہرستیں تیار کر کے لجنہ' انصار اللہ اور خدام کو فراہم کر کے ان کو سست کر دیا ہے تو ہنس کر ٹال دیتے۔ مختصراً ہمارے پیارے نعیم احمد صاحب وسیم جماعت کے انمول موتی تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی جوار رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور انکے اہل و عیال کو صبر جمیل عطا فرماتے ہوئے ان کے نقش قدم پر دین کی مقبول خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اعلان

صوبہ خیبر پختون خواہ (پاکستان) کے بزرگان کا ذکر خیر

صوبہ خیبر پختون خواہ (پاکستان) کے بزرگان (وفات شدہ) احباب کے حالات زندگی شائع کئے جا رہے ہیں۔ احباب سے درخواست ہے کہ وہ انکے حالات درج ذیل پتہ میں سے کسی بھی پتہ پر ارسال کر کے ممنون فرمائیں۔ اگر انکے پاس ان کی فوٹو بھی ہوں تو ارسال فرمائیں۔ شکریہ۔ یہ کتاب تدوین کے آخری مراحل میں ہے۔

Shamsuddin Aslam
261 Encore Way
Corona, CA 92879
Tel: 951-278-2001
Fax: 951-471-1635
E-mail: sdaslam@hotmail.com

Muhammed Ajmal Shahid
927 Ashton Road
Bensalem, PA 19020
Tel: 215-639-6396
Fax: 267-200-0335
E-mail: homeocare@yahoo.com

سچ

عارفہ حلیم

سڑک کنارے کھڑا ہوا تھا

مسافتوں سے تھکا مسافر

گزرتے لوگوں سے کہہ رہا تھا

زمانے گزرے تلاش حق میں بھٹک رہا ہوں

یقین سا اب تو یہ ہو چلا ہے

کہ سچ نہیں ہے

کہیں نہیں ہے کہیں نہیں ہے

سنا ہے جب سے اسے یہ کہتے

یہ دل ہے اپنا نہ مان پائے

تقاضہ اسکا ہے سچ یہیں ہے

یہاں نہیں تو وہاں پہ ہوگا

تلاش بسیار جاری ساری

کہیں تو ہوگا کہیں ملے گا

اگر نہیں ہے تو اس نہیں میں

کہیں پہ دیکھو چھپا ہی ہوگا

اگر کہیں پر چھپا نہ ہوتا

کلیم ہوتا نہ طور سینا

نہ تکرار رب ارنی انظر الیک ہوتی

نہ لن ترانی جواب آتا

نہ راہ حق کا یہاں پہ کوئی شہید ہوتا

نہ دار و رسن سے صدائے منصور کوئی سنتا

صدائے حق تھی یا بیخودی سی

یا عشق باری

شہید ہو کر جو راہ حق میں

یہ فرق میں تو مٹا گیا تھا

بتا گیا تھا کہ سچ نہ ہوتا تو اس کی خاطر

نہ عشق ہوتا نہ کوئی عاشق

نہ کوئی سقراط مسکرا کر

پیالہ پیتا بھرے زہر کا

خلیل و موسیٰ نہ عیسیٰ ہوتے

سراپا رحمت رسول عربی

نہ اسکا مہدی

محبتوں کا امین کوئی مسیح موعود جہاں میں ہوتے

پیار انکا نہ رحمتوں کا حصار ہوتا

یہ دل جو ہر دم دھڑک رہا ہے

دھڑک دھڑک کر بتا رہا ہے

یہاں ہے مسجد یہاں کلیسا یہاں پہ قائم ہے ایک مندر

تلاش حق ہے شروع یہاں سے

تلاش حق ہے ختم یہاں پر

یہ دل ذرا سا مکاں ہے اسکا

مکین جسکا ازل سے اس میں بسا ہوا ہے

حسین تر وہ

حجاب میں ہی چھپا ہوا ہے

تلاش کیسے کرے گا کوئی

نہیں ہے تاب نظر کسی کو

کہ حسن سچ سے نگاہ ظاہر ہے خیرہ خیرہ

اُٹھے جب بھی ہاتھ دعا ہوئی

صؔادق باجوہ۔ میری لینڈ

مرے خستہ تن میں جو جان ہے، وہ تو دم بدم ترے دم سے ہے
مرا حوصلہ ، مرا ولولہ، اُٹھا ہر قدم ترے دم سے ہے
شبِ تیرہ تار سے مُخلصی تو نمودِ صبحِ طرب سے ہے
دبی وسوسوں میں جو آس ہے وہ بندھی ہوئی ترے دم سے ہے
کوئی جُستجو تو ازل سے ہے کسی مُنتہا کی تلاش میں
جسے ڈھونڈنے کا خیال بھی رہا منسلک ترے دم سے ہے
ہوئی خاک ہی سے اُٹھان بھی، مری انتہا بھی ہے خاک میں
یہ عجیب صنعتِ کار ہے، یہ کمال بھی ترے دم سے ہے
تُو تو مُنتہائے کمال ہے، نہ کہیں رہینِ سوال ہے
یہ جہاں کا حسن و جمال بھی تو تمام تر ترے دم سے ہے
تُو ہی اِبتدا تُو ہی اِنتہا، تری ہر صِفت کو دوام ہے
تری ذات ہی میں قیام ہے، یہ فنا بقا ترے دم سے ہے
وہ گھڑی نہ صؔادق خطا ہوئی، جو کسی کے دم سے عطا ہوئی
اُٹھے جب بھی ہاتھ دعا ہوئی، یہ قبولیت ترے دم سے ہے

تعارف

بارات نجم

شاعرہ رفیعہ مجید

''بارات نجم'' کی شاعرہ رفیعہ مجید کا اصل نام رفیعہ خانم ہے اور آپ انڈیا کی ریاست کپورتھلہ میں پیدا ہوئیں۔ ان کا قبیلہ یوسف زئی افغانستان سے ہجرت کر کے ہندوستان آیا۔ رفیعہ خانم کے آباؤ اجداد اپنے علم و فضل کی وجہ سے ریاست کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ تقسیم ہند و پاک کے بعد آپ کا خاندان پاکستان آگیا اور ان کے والد ریاست بہاولپور میں سکونت پذیر ہو گئے۔ رفیعہ خانم کی شادی اپنے تایازاد مجید احمد خان سے ہوئی اور یوں وہ رفیعہ مجید کہلانے لگیں۔

رفیعہ مجید کے لئے فارسی اور اردو تو گویا مادری زبان کی حیثیت رکھتی ہیں۔ پنجاب میں رہائش کی وجہ سے پنجابی پر بھی کافی دسترس حاصل ہے۔ ان کا شاعری کا مجموعہ بارات نجم اردو اور پنجابی میں ہے۔ رفیعہ مجید نے زیادہ تر نظم کے میدان میں طبع آزمائی کی ہے۔ انہوں نے جہاں اپنے گھر اور بچوں کی خوشیوں پر نظمیں لکھی ہیں وہاں اپنے جیون ساتھی کی جدائی کے صدمہ پر صبر کرتے ہوئے اس غم کو اپنے اشعار میں بیان کیا ہے۔ بارات نجم رفیعہ مجید کا پہلا مجموعہ کلام ہے۔ زبان اور فن کی باریکیوں میں الجھے بغیر کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے شاعری کے میدان میں اچھی ابتداء کی ہے۔ بارات نجم میں شامل پنجابی اور اردو کے چند اشعار پیش ہیں۔

اول حمد خدا دی واجب، جیہدے کُل جہان
سر دا تاج محمدؐ عربی، ایہہ میرا ایمان

چھٹے سب غموں کے گھٹا ٹوپ سائے
مرے صحن ہستی کے گُل مسکرائے
چلی تیری رحمت سے باد بہاری
خزاں کی اداسی ہوئی دور ساری

کوئی نیکی، بھلائی، زاد رہ پلے نہیں اپنے
تری رحمت سے وابستہ مرے اعمال سارے ہیں

نظریں ملیں تو پاؤں میں زنجیر پڑ گئی
محفل سے ان کی لوٹ کے آیا نہ جا سکا

سوچ کر، وہ ہم خیال محفل اغیار ہے
دل مرا بے چین مثل ماہیٔ بے آب تھا
دل نے اکثر تلخیٔ ایام رفتہ پر کہا
جو بظاہر تھی حقیقت، درحقیقت خواب تھا

(الف۔ن۔ع)